"معلومات اور دل کش و پراثر اندازِ بیاں کا امتزاج لیے ہوئے ایک اہم کتاب"

—ولیم الیگزنڈر (انعام یافتہ — امریکی نیشنل بُک ایوارڈ)

اپنے وطن کی تلاش!

انسٹی ٹیوٹ آن اِسٹیٹ لیسنیس اینڈ اِنکلوژن

اس کتاب میں شامل موضوعات سے متعلق مزید جاننے کے لیے ہماری ویب سائٹ (www.kids.worldsstateless.org) ملاحظہ کیجیے۔ یہاں آپ کے لیے دنیا بھر میں پائی جانے والی بے وطنی کی صورتِ حال سے متعلق معلومات، واقعات، فنی اظہار، انٹرویوز، تصاویر، کوئزاور دیگر دلچسپ سرگرمیاں دستیاب ہیں۔ نہایت غور و فکر کے ساتھ تیار کی جانے والی اس ویب سائٹ میں آپ کے ساتھ ایسے متعدد منفرد آئیڈیاز شامل کیے گیے ہیں، جن کی مدد سے آپ بے وطنی کے خلاف جاری عملی تحریک میں باقاعدہ حصہ لے سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ، ہماری ویب سائٹ میں اساتذہ کے لیے اسی کہانی پر مبنی ایک رہنما کتاب بھی شامل کی گئی ہے تاکہ وہ اپنے طلبہ کو اس اہم موضوع سے آگاہ کر سکیں۔

یہ کتاب انگریزی، عربی، ترکی، ڈچ، فرانسیسی، ہسپانوی اور زولو زبان میں بھی دستیاب ہے۔

اپنے وطن کی تلاش !

تحریر: امل دی چکیرا-ڈیئرڈرہ برینن

اردو ترجمہ: فریدالحسن

تصاویر: دیئن پو

ناشر:

انسٹی ٹیوٹ آن اِسٹیٹ لیسنیس اینڈ اِنکلوژن

انسٹی ٹیوٹ آن اِسٹیٹ لیسنیس اینڈ اِنکلوژن (Institute on Statelessness and Inclusion) ایک آزادانہ تنظیم ہے، جو ہر فرد کے حقِ شہریت کے حصول کے لیے کوشاں ہے۔
info@institutesi.org
www.institutesi.org

انگریزی الاصل عنوان: The Girl Who Lost Her Country
اردو عنوان: اپنے وطن کی تلاش!
تحریر: امل دی چکیرا-ڈیئرڈرہ برینن
تصاویر: دیئن پو
اردو ترجمہ: فریدالحسن
ادارت برائے اردو ترجمہ: رومانہ حسین
ڈیزائن: دیشان تینکّون | کشف عاصم (برائے اردو)
ناشر: انسٹی ٹیوٹ آن اِسٹیٹ لیسنیس اینڈ اِنکلوژن
سالِ اشاعت (انگریزی): ۲۰۱۸ء
سالِ اشاعت (اردو ترجمہ): ۲۰۲۶ء
تصاویر کے حقوق:
صفحات ۴، ۲۵، ۲۶ اور ۵۵ پر موجود تصاویر © ایس او ایس ویلیج (ابواسو) اور یو این ایچ سی آر (آئیوری کوسٹ)
صفحہ ۷۷ پر موجود پینٹنگ © کنچنی چندراشری
صفحات ۱۷، ۲۳، ۵۲، ۵۳، ۵۵، ۵۹ اور ۷۵ پر موجود تصاویر © گریگ کانسٹنٹائن
صفحات ۳۱، ۵۶ اور ۷۵ پر موجود تصاویر © سیف الحق اومی
صفحہ ۲۱ پر موجود تصویر © ایلسن پیٹروزیلو اور اوبی ایم آئی سی اے (اومیکا)
صفحہ ۲۴ پر موجود تصویر © سُبین مُلمی اور ایف ڈبلیو ایل ڈی
صفحہ ۸۳ پر موجود تصویر © دِیپتی گرِنگ
صفحہ ۳۹ پر موجود تصویر © کینیا ہیومن رائٹس کمیشن
صفحہ ۲۰ پر موجود تصویر © لوُرا کوئنتاناسومس
صفحہ ۳۳ پر موجود تصویر © ہیلن برنٹ
کریٹیو کامنز لائسنس کے تحت مذکورہ افراد کی تصاویر بھی مناسب ترمیم کے ساتھ اس کتاب میں شامل کی گئی ہیں:
ہزیزے سان، ونیسا پورٹر، شیرل مارلینڈ، جیروم بون، رے پریژیسو، دیارسی
آئی ایس بی این: ۹۷۸۹۰۸۳۶۹۶۴۰۹

جملہ حقوق بحق 'انسٹی ٹیوٹ آن اِسٹیٹ لیسنیس اینڈ اِنکلوژن' محفوظ ہیں۔ ادارہ ہٰذا کی تحریری اجازت کے بغیر، اس اشاعت کے کسی بھی حصے کی کسی بھی شکل میں نقل تیار کرنا، ذخیرہ کرنا، ترجمہ کرنا یا اس کی منتقلی کرنا — خواہ وہ برقیاتی، میکانکی، فوٹو کاپی، ریکارڈنگ یا کوئی اور طریقہ ہو — ممنوع ہے۔ اگرچہ مصنفین، مدیروں اور ناشر نے اس اشاعت کی درستگی کو یقینی بنانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے، تاہم ناشر، مصنفین، مترجم اور مدیر کسی بھی غلطی، کمی، نقصِ بیان یا خامی کے ذمہ دار نہیں ہیں اور نہ ہی اس میں پیش کردہ معلومات کے استعمال کی کوئی ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔

انسٹی ٹیوٹ آن اِسٹیٹ لیسنیس اینڈ اِنکلوژن، نیدرلینڈ میں رجسٹرڈ ایک غیر منافع بخش فاؤنڈیشن ہے۔
چیمبر آف کامرس رجسٹریشن نمبر: ۶۱۴۴۳۸۴۰

'ن' سے نیشنالٹی یعنی شہریت، اور
'ب' سے بے وطنی کے الفاظ بنتے ہیں۔
اسی طرح
'ن' سے "نیہا" لکھا جاتا ہے،
اور 'ب' سے مُراد ہے اس کی بہادری!

یہ کتاب نیہا سمیت پوری دنیا میں موجود ان تمام بچوں اور بچیوں کے نام ہے، جنھیں اپنے ملک میں شہریت سے محروم کر کے بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا ہے، (لیکن) انھیں اپنی زندگی میں (اب خود) آگے بڑھنا ہے!

ہم آپ کے شانہ بہ شانہ کھڑے ہیں!

APATRIDE

فہرست

نیہا کا سفر	۰۷
بے وطنی کی دنیا	۴۶
نیہا کے سوالات	۴۸
بے وطن بچوں کے سوالات	٦۰
اپنے حقوق جانیے !	٦۲
نیہا کے تجربات	۷۱
ہم آپ کو سمجھتے ہیں	۷۴
بے وطن بچے کے نام ایک خط !	۷۸
نیہا کا مستقبل	۸۱
سوچیے، سیکھیے، عمل کیجیے، کھیلیے اور آگے بڑھیے !	۸۴
اظہارِ تشکر	۸٦

نیہا کا سفر

میں
گر
گررر
رہی
ہوں ں ں۔۔۔
بچاؤ!!!
ٹھک!
اوہ، آہ!!!!!
میں کیوں ہمیشہ اتنے زور کے جھٹکے سے گرتی ہوں؟
ہر مرتبہ ایسا ہی ہوتا ہے!
مجھے معلوم ہے کہ میں خواب دیکھ رہی ہوں، لیکن یہ جھٹکا مجھے ہمیشہ ڈرا دیتا ہے۔۔۔ ایسے جیسے میری سانس بند ہو رہی ہو اور پھر میں ڈر کے مارے آنکھیں ہی نہیں کھولتی۔
میرا پورا جسم جیسے ٹھنڈے پسینے سے بھیگ گیا ہے۔ مجھے اپنے گالوں میں ہوا کی ہلکی ہلکی تھپکیاں محسوس ہو رہی ہیں۔ کمرے کی کوئی کھڑکی کھلی رہ گئی ہے کیا؟
میں نے چادر اوڑھنے کے لیے بند آنکھوں کے ساتھ ہی اِدھر اُدھر ہاتھ مارا۔
ارے یہ کیا؟ چادر جیسے ننھے ننھے ذرات میں تبدیل ہو کر میری ہتھیلی سے پھسلنے لگی۔۔۔ یہ ریت بھلا کہاں سے آ گئی؟
کسی نے میرے کندھوں کو ہلایا۔
''اٹھو، آنکھیں کھولو!'' ایک اجنبی آواز نے کہا۔
بارش کی پھوار میرے چہرے پر برسنے لگی اور میرے بالکل قریب سے ایک سائیکل گزری۔
میں نے کن اَکھیوں سے دیکھا تو پتا چلا کہ میں باہر ہوں۔ آس پاس کچھ بھی دیکھا بھالا نہیں لگ رہا اور موسم بھی ذرا سا سرد ہے۔ مجھے نہیں لگتا کہ میں پہلے یہاں کبھی آ چکی ہوں!
میں نے دوبارہ آنکھیں موند لی۔
''میں ضرور کوئی خواب ہی دیکھ رہی ہوں۔''

"اٹھو، آنکھیں کھولو!" اجنبی کی آواز میں اب اصرار تھا۔

میں نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولی۔

ایک سفید رنگت اور سنہرے بالوں والا لڑکا میری جانب متوجہ تھا۔ وہ میرا ہم عمر معلوم ہوتا تھا، یعنی لگ بھگ بارہ سال کا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ بھی مجھے یہاں دیکھ کر حیران ہوا ہے، لیکن وہ شریف اور تمیز دار معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے ذرا قریب آ کر کہا:

نیدرلینڈ، براعظم یورپ میں واقع ایک ملک ہے۔ اس ملک کے نام کا لفظی مطلب ہی "زیریں ملک (Lower Country)" ہے، کیونکہ یہ خطہ ہموار اور زیریں علاقوں پر مشتمل ہے۔ درحقیقت اس ملک کے کئی حصے سطحِ سمندر سے نیچے واقع ہیں۔

"نیدرلینڈ میں خوش آمدید! میرا نام لُوکس ہے۔"

میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے بہ مشکل جواب دیا:

"شکریہ! میرا نام نیہا ہے، میرا تعلق نیپال سے ہے۔"

"مگر میں یہاں کیسے پہنچی؟" میں نے اگلا سوال داغا۔ اس سوال کا جواب اس کے پاس بھی نہیں تھا، سو اُس نے کندھے اچکائے۔

میں نے آس پاس نظر دوڑائی تو معلوم ہوا کہ ہم ایک پارک میں ہیں۔ سڑک کے اس پار گھروں کی قطار تھی۔ میں سامنے سے گزرتے ہوئے سائیکل سواروں کو دیکھنے میں محو ہو گئی۔ ایک شخص جو فون پر بات کرتے ہوئے اپنی ہی دُھن میں مگن چلا جا رہا تھا، اچانک سائیکل کی مسلسل بجتی گھنٹیوں نے اسے چونکا دیا اور وہ مینڈک کی طرح اچھل کر ایک کنارے ہو گیا۔ یہ منظر دیکھ کر ہم دونوں کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"چلو، یہاں سے چلیں۔" لُوکس مجھ سے مخاطب ہوا۔

مجھے تسلی ہوئی کہ اس مسلسل بونداباندی کو اب مزید جھیلنا نہیں پڑے گا۔ ہم نے احتیاط سے سڑک پار کی اور سامنے گھروں کے قطار میں سے ایک کے پھاٹک پر لُوکس نے دستک دی۔ ایک چھوٹی سی لڑکی لِنڈے نے دروازہ کھولا، یہ لُوکس کی بہن تھی۔

"تو بات یہ ہے کہ تم نیپال سے ہو، اور تمھیں یہ معلوم نہیں ہے کہ تم وہاں سے ہوتی ہوئی یہاں نیدرلینڈ میں کیسے پہنچی۔ ایسا ہی ہے نا؟"

میں نے جواب میں سر ہلایا۔

میرے ردعمل پہ ایک خاموشی سی طاری ہو گئی۔

مجھے صاف نظر آ رہا تھا کہ لُوکس بھی اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ تنے ہوئے ابرو اور آنکھیں میچتے ہوئے اپنے ذہن پر جیسے زور ڈال رہا تھا۔ دوسری طرف میں اپنے حال سے بے حال، کچھ بھی سوچنے سمجھنے سے قاصر تھی۔ بالآخر وہ جیسے کسی نتیجے پر پہنچا اور کہنے لگا:

روپے/روپیہ سے مراد وہ کرنسی ہے، جو نیپال اور دیگر جنوبی ایشیائی ممالک جیسے پاکستان، بھارت اور سری لنکا میں استعمال ہوتی ہے۔

"اگرچہ تمھیں میری بات پر یقین نہیں آئے گا، لیکن مجھے اب کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگا ہے کہ تم یہاں کیسے پہنچی ہو!"

اس کی بات سن کر میرا انداز کچھ یہ تھا کہ "اچھا؟ تو اب مجھے بھی سمجھانے کی کوشش کرو۔"

اس نے ایک ہاتھ اپنی پتلون کی جیب میں ڈالا اور ایک سکّہ نکال کر میرے سامنے لہرایا:

”اسے پہچانتی ہو؟ یہ نیپالی کرنسی یعنی دو روپے کا سکّہ ہے۔“ پھر اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ”میں پیسے جمع کرتا ہوں۔۔۔ میرے کہنے کا مطلب ہے کہ مجھے مختلف ملکوں کے سکّے جمع کرنے کا شوق ہے۔“ لُوکس نے مزید بتایا کہ:

”مجھے ملک ملک گھومنے کا شوق ہے اور میرے پاس اُن تمام ملکوں کے سکّے موجود ہیں، جہاں کی اب تک میں سیر کر چکا ہوں۔ اوہ، ہاں! میرے پاس ان ملکوں کے سکّے بھی ہیں، جہاں کی سیر کرنے کا میرا ارادہ ہے۔“

”میری ہمیشہ سے خواہش تھی کہ میں نیپال جاؤں اور وہاں موجود ہمالیہ کے پہاڑی سلسلے کی چڑھائی کی سیر کرتے ہوئے 'ییتی' سے ملاقات کر سکوں۔“ لُوکس ڈرامائی انداز میں رُکا اور دوبارہ گویا ہوا:

ہمالیہ کے پہاڑی سلسلے کا شمار دنیا کے اونچے پہاڑی سلسلوں میں ہوتا ہے، جو بھارت، نیپال، بھوٹان، تبّت، چین اور پاکستان تک پھیلا ہوا ہے۔ دنیا کی سب سے اونچی پہاڑی چوٹی 'ایورسٹ' اسی سلسلے کا حصہ ہے، جو نیپال اور تبّت کے علاقوں میں واقع ہے۔ ییتی سے مراد وہ گوریلا نما دیو ہیکل برفانی مخلوق ہے، جو مقامی دیومالائی قصوں کے مطابق ہمالیہ میں مقیم ہے۔ یعنی وہ اس پہاڑی سلسلے میں ہی کہیں نہ کہیں رہتا ہے۔

”اب یہاں سے شروع ہوتی ہے وہ عجیب و غریب بات!

میں وہاں جانے کے لیے اتنا بے تاب تھا کہ میں نے اس دو روپے کے سکے کو اپنی مٹھی میں بند کر کے نیپال دیکھنے کی دلی تمنا کی۔ آگے جو ہوا اس پر تمھیں یقین نہیں آئے گا، لیکن جب میں نے آنکھیں کھولی تو دیکھا کہ تم میرے سامنے موجود ہو!“

”ہے نا یہ نہایت عجیب و غریب بات؟“ لُوکس نے مجھ سے پوچھا۔

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں اس کی بتائی ہوئی بات پر کیا ردِ عمل دوں۔ یہ تو بہت ہی عجیب و غریب واقعہ تھا۔ یہ بات میری سمجھ سے باہر تھی کہ میں بھلا کیسے اپنے ملک سے، اپنے گھر سے، اس قدر دور اس انجان ملک میں پہنچ گئی!

لُوکس نے پھر اپنی دادی جان کی کہی ہوئی نہایت پتے کی بات بتائی:

”میری دادی جان ہمیشہ کہتی تھیں کہ اگر کبھی کچھ اَنہونی ہو جائے، تو عموماً اس میں ہمارے لیے بہتری ہی ہوتی ہے۔ میں سفر پر جانے کے لیے بے تاب تھا اور اس سکّے کے ذریعے دلی تمنا کی تھی۔ لیکن یہ سکّہ مجھے وہاں پہنچانے کے بجائے تمھیں یہاں لے آیا ہے۔ تو شاید میری جگہ تمھارا ملکوں ملکوں سفر کرنا زیادہ اہم ہو!“

کیا مجھے واقعی سفر پہ جانے کی ضرورت ہے؟

میں تو اپنے ملک نیپال میں بہت خوش ہوں۔

لیکن کیا میں واقعی خوش ہوں؟

مجھے بہت کچھ یاد آنے لگا۔

اُس دن میں اپنی امی اور بڑی بہن نِکیتا کے ساتھ اسکول میں تھی۔ امی بہت پریشان نظر آ رہی تھیں۔ وہ بار بار میری اُستانی کو بتا رہی تھیں کہ نِکیتا اور میں نیپالی ہیں، ہم یہیں پیدا ہوئی ہیں اور ہم تینوں نے کبھی ملک سے باہر قدم تک نہیں رکھا۔ لیکن اسکول کے اساتذہ ہماری باتیں سن کر بس اپنا سر ہلا رہے تھے۔ مس بھٹارائی امی سے نظریں چُرا رہی تھیں۔ وہ زمین کی طرف نظریں گاڑے امی سے مخاطب تھیں: ''معاف کیجیے گا دِیدی، لیکن شناختی کاغذات کے بغیر ہم نِکیتا کو امتحانات میں بیٹھنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔''

دِیدی مخاطب کرنے کا ایک دوستانہ انداز ہے، جسے نیپال کے مرد اور عورتیں اپنے سے بڑی خواتین کو مخاطب کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس کے معنی 'بڑی بہن' کے ہیں۔

اپنی ماں کو اس حالت میں دیکھ کر میں نہایت بے بسی محسوس کر رہی تھی۔ میرے ذہن میں فوراً وہ تمام لمحات آ گئے جب میں نے انھیں اسی طرح شدید پریشان اور دکھی پایا تھا۔ ایک اور موقعے پر جب وہ کسی سرکاری دفتر میں ایک نہایت بد تمیز افسر سے بات کر رہی تھیں، تو وہ بہت تحمل سے اس آدمی کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں کہ میرے والد وہاں موجود نہیں ہیں۔۔۔ یا وہ دن جب عدالت میں جج نے ان سے اخلاقیات سے متعلق ایک عجیب سا سوال پوچھا تھا، جس کا انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

امی ہم سے، ہماری سوچ سے بھی بڑھ کر محبت کرتی تھیں۔ وہ ہمیں خوش دیکھنے کے لیے ہر وہ کام کرنے کو تیار رہتیں، جو اُن کے لیے ممکن ہوتا۔ لیکن اپنی ماں کو یوں بے بس دیکھنا میری برداشت سے باہر تھا۔ اور سب سے تکلیف دہ بات، جو میرے لیے تصور کرنا بھی مشکل تھا، وہ یہ تھی کہ اس پریشانی کا تعلق ہم سے تھا۔

میری آنکھوں کے سامنے یہ سارے مناظر دھندلے پڑ رہے تھے، اور میرا سر چکرا رہا تھا۔ میرے کانوں میں تیز گھنٹیاں سی بج رہی تھیں۔ مجھے لوگوں کے ہونٹ ہلتے نظر آ رہے تھے، مگر وہ کیا باتیں کر رہے ہیں، اس کی آواز کانوں میں نہیں پڑ رہی تھی۔ میری ٹانگوں میں اب جیسے جان ہی باقی نہ رہی اور نہ ہی اپنی پلکیں کھولے رکھنے کی ہمت۔ بے ہوش ہونے سے پہلے جس آخری چیز پر میری نظر پڑی تھی، وہ امی کے پاؤں تھے۔

***

میں نے لُوکس کو وہ پورا واقعہ سنایا۔ نیپال سے جڑی میری تکلیف دہ یادیں۔۔۔ میں نے اُس کے سامنے وہ تمام سوال دہرائے، جو اُس وقت میرے ذہن میں گھوم رہے تھے۔

نِکیتا امتحان کیوں نہیں دے سکتی؟

کیا مجھے بھی امتحان دینے کی اجازت نہیں ہوگی؟

کیا اسی لیے امی اتنی پریشان تھیں؟

شہریت۔۔۔ شناخت۔۔۔ یہ کیا ہوتی ہے؟

کیا ہر ایک کے پاس یہ ہونا ضروری ہے؟

میری باتیں سنتے ہوئے اس کی بھنویں تنی ہوئی تھیں، لیکن اس کا یہ انداز اب میرے لیے نیا نہیں تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے ہم ابھی کچھ دیر پہلے نہیں ملے بلکہ میں اسے شاید ایک لمبے عرصے سے جانتی ہوں!

’’میں سمجھتا ہوں کہ شہریت یہ ظاہر کرتی ہے کہ ہم دراصل کہاں سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی جرمنی میں پیدا ہوتا ہے، تو اس کی اصل شناخت یہ ہے کہ وہ شخص جرمن ہے۔ میرے خیال میں ہر شخص اپنی ایک شہریت رکھتا ہے، کیونکہ کوئی نہ کوئی جگہ اس کی اصل ہوتی ہے، جہاں سے اس کا تعلق ہوتا ہے۔‘‘

لنڈے، جو کافی دیر سے تحمل کے ساتھ ہماری باتیں غور سے سُن رہی تھی، بول اٹھی:

’’میرے خیال میں ہم جو زبان بولتے ہیں، اس سے بھی ہماری شہریت واضح ہوتی ہے۔ میں ڈچ زبان بولتی ہوں تو مجھے اس وجہ سے معلوم ہے کہ میرا تعلق نیدرلینڈ سے ہے۔ میری بس کا کارڈ جو مجھے گھر سے اسکول لے جاتی ہے، اس میں بھی میرا نام لکھا ہے۔ تو شاید اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ میرے پاس ڈچ شہریت ہے۔‘‘

لِنڈے کی باتوں نے مجھے دوبارہ سوچنے پر مجبور کر دیا۔

مجھے معلوم ہے کہ میرا تعلق نیپال سے ہے اور میں نیپالی زبان بولتی ہوں، سو اس سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ میری شہریت نیپالی ہے۔ لیکن میں یہ بھی جانتی ہوں کہ امی کو دراصل ہماری شہریت ثابت کرنے میں ہی مشکلات پیش آ رہی ہیں۔ اور نیپال میں ہمارے پاس بسوں کے کارڈ بھی تو نہیں ہوتے نا!

’’تو اس سے جو بات میری سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ اب تمھارا بنیادی مقصد اپنی شہریت تلاش کرنا ہے!‘‘

یہ کہہ کر لُوکس دوڑتے ہوئے اپنے کمرے میں گیا۔ واپسی میں اس کے پاس ایک چھوٹا سا بٹوہ تھا۔ اس نے بتایا:

’’میں اپنے جمع کیے ہوئے قیمتی سکے اس میں رکھتا ہوں، مگر اب یہ سارے تم رکھ لو۔ کیونکہ جو سکّہ تمھیں یہاں لے آیا ہے، دراصل اس کے پیچھے کوئی وجہ ضرور ہے۔ سو مجھے امید ہے کہ ان سکّوں کے ذریعے تمھیں ایسی جگہوں کی سیر کرنے کا موقع ملے گا، جہاں تم نئے لوگوں سے مل سکو گی اور شہریت کے بارے میں مزید اہم باتیں جان سکو گی۔‘‘

پھر اس نے مجھ سے کہا:

’’اب یہ کرو کہ اس بٹوے سے ایک سکّہ نکالو، اسے اپنی مٹھی میں دباؤ اور آنکھیں بند کرتے ہوئے اپنی دلی تمنا ظاہر کرو۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ سکے، تمھیں ان ملکوں میں لے جا سکتے ہیں، جہاں سے ان کا تعلق ہے۔ جاؤ اور شہریت کے بارے بہت کچھ جانو اور سیکھو! اس مہم جوئی کے لیے میری تمھارے لیے نیک تمنائیں! اور ہاں، واپسی میں ہمیں اپنے اس مہم کے بارے میں بتانا نہ بھولنا!‘‘

ان باتوں کے دوران لِنڈہمے نے اپنے بستے میں کچھ تلاش کرنا شروع کیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی ڈائری تھی:
"یہ لونیہا! تم اپنی اس مہم کی رُوداد اس ڈائری میں لکھ سکتی ہو، تاکہ تمھیں اپنے سوالوں کے جوابات مل سکیں!"

سو ایسا لگتا ہے کہ شہریت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا تعلق کس جگہ سے ہے اور آپ کون سی زبان بولتے ہیں۔ اس سے تو یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہر کسی کے پاس کوئی نہ کوئی شہریت ہوتی ہے۔ لیکن اگر یہ سچ ہے، تو پھر میری بہن کو اتنی مشکلات کیوں پیش آئیں؟

پہلا سوال

شہریت کسے کہتے ہیں؟
کیا آپ جہاں پیدا ہوتے ہیں
تو آپ کو خود بخود وہاں کی
شہریت حاصل ہو جاتی ہے؟

میں ان دونوں کی بہت شکر گزار تھی کہ یہ لوگ اتنے نیک دل ہیں۔ میں دونوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان سے گلے ملی۔ پھر میں نے احتیاط سے سکّوں کا بٹوہ اٹھایا اور ڈائری تھامی۔ میں نے ان سے وعدہ کیا کہ میں انھیں اپنے اس مہم کے بارے میں ضرور بتاؤں گی۔ میں نے آنکھیں بند کرتے ہوئے بٹوے سے ایک سکّہ نکالا اور اسے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے دل ہی دل میں اپنی تمنا ظاہر کی۔

***

ہوا نہایت خوشگوار ہے لیکن بھئی یہاں تو بڑی گرمی ہے!
پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں آ رہی ہے۔۔۔ لیکن نہیں۔۔۔
یہ چہچہانے کی آواز نہیں ہے، یہ تو پرندوں کا شور ہے۔۔۔ "کاں، کاں، کاں۔"
میں نے اپنی مٹھی کھولی تو دیکھا کہ میرے پاس دس کا ایک سکّہ ہے، لیکن یہ نیپالی روپیہ تو نہیں ہے۔ اس سکے میں دو مختلف زبانیں نقش ہیں، جنھیں میں پڑھ نہیں سکتی۔ میں نے اسے پلٹا تو مجھے معلوم ہوا کہ میں سری لنکا میں ہوں۔ پھر میں نے دیکھا یہاں آس پاس ایک سمندر ہے!

سری لنکا، جنوبی ایشیا کا ایک جزیرہ نما ملک ہے، جسے 'بحیرۂ ہند کے موتی' کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اس پر سب سے پہلے پرتگال نے اور پھر نیدرلینڈ نے قبضہ کیا، اور آخر میں برطانیہ نے اسے اپنی نوآبادی بنایا۔ بالآخر ۱۹۴۸ء میں یہ ملک آزاد ہوا۔ اس ملک کی ۲ کروڑ آبادی کا تعلق مختلف مذاہب اور نسلوں سے ہے۔

میں نے آج سے پہلے کبھی سمندر نہیں دیکھا تھا۔
یہ سمندر تو ہر طرف پھیلا ہوا ہے اور اس کی لہریں آپس میں ٹکرا رہی ہیں۔ میں جیسے اس جادوئی منظر میں کھو گئی۔
اچانک میرے سامنے دو لڑکیاں کودیں اور میری توجہ بٹ گئی۔ یہ دونوں آپس میں بہنیں ہیں۔ نو سالہ کنولی اور اس کی بڑی بہن کِھتمی جو دس سال کی ہے۔ ہم تینوں اکھٹے ساحل کی ریت پہ جا بیٹھے۔

کولمبو شہر، جو یہاں کا دارالحکومت ہے، اس کی اونچی عمارتیں ہماری پشت کی جانب تھیں۔
میں نے انھیں اپنی کہانی سنائی۔ جب میں نے پوچھا کہ ''شہریت کسے کہتے ہیں؟'' تو کِھتمی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔
کچھ دیر بعد اس نے کہا:
''میرے خیال میں اس دنیا میں بسنے والے لوگوں کی مختلف ثقافت، رسوم و رواج، مذاہب اور ان کی روایات سے مل کر شہریت بنتی ہے۔''

سِنہالی زبان میں 'اَکّی' کا مطلب بڑی بہن ہے۔

مگر کنولی درمیان میں بول اٹھی:
''اکّی! صرف یہی نہیں، بلکہ میرے خیال میں۔۔۔ شہریت کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ آپ کا تعلق کس جگہ سے ہے۔ جیسے وہ ملک جہاں آپ پیدا ہوئے ہوں، اور آپ وہاں کے قاعدوں پر عمل کرتے ہوں۔ مثلاً میری شناخت سری لنکن ہونا ہے، تو میرے لیے ضروری ہے کہ میں یہاں کے قواعد پر عمل کروں۔ میرے خیال میں اس طرح ہمیں شہریت حاصل ہوتی ہے۔''

آپ کے ملک کے وہ کون سے قاعدوں / قواعد ہیں، جن سے آپ واقف ہیں؟
(انھیں ہم قوانین بھی کہتے ہیں۔)

کنولی نے اپنی گفتگو جاری رکھی: ''میں یہ جانتی ہوں کہ میں سری لنکن ہوں، کیونکہ مجھے بتایا گیا ہے کہ ہمارے پاس یہ شناخت موجود ہے۔ اور مزید یہ کہ آپ خود محسوس کر سکتے ہو کہ آپ کی شہریت دراصل کیا ہے، کیونکہ ہمارا اپنا آپ ہمیں یہ بتاتا ہے۔ مثال کے طور پر ہم سری لنکن ہیں، انگریز ہیں یا امریکی، ہماری اندرونی توانائی ہمیں یہ محسوس کرواتی ہے۔ اور ہاں، میرے خیال میں ہمارے جِلد کی رنگت سے بھی یہ پتا چلتا ہے!''
میں سوچ میں پڑ گئی۔ میں نے کِھتمی اور کنولی کو بتایا کہ میں خود کو نیپالی ہونا ہی محسوس کرتی ہوں، کیونکہ میں وہاں کی ثقافت و روایات کا حصہ ہوں اور کبھی کبھار میں خود میں وہ نیپالی توانائی بھی محسوس کرتی ہوں۔ اور تو اور۔۔۔ میں تو دِکھتی بھی ویسی ہی ہوں، جیسے نیپال کے دوسرے لوگ ہیں۔ تو پھر مجھے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ میری امی یہ بات کیوں نہیں ثابت کر پا رہی ہیں کہ ہم نیپالی ہیں!

کِھتمی نے میری بات سن کر کندھے اچکائے اور بولی:
''بھئی یہ بڑے بھی نا بہت عجیب ہوتے ہیں!''
میں اس کی تائید میں ہنس پڑی، لیکن میرے خیال میں اس نے میری ہنسی میں موجود اداسی کو بھی نوٹ کیا۔ تبھی وہ مجھے گلے لگاتے ہوئے بولی!
''ہر کسی کے پاس کوئی نہ کوئی شہریت ہونی چاہیے، کیونکہ ہر کسی کا کوئی نہ کوئی وطن ہوتا ہے۔''
ہم نے تھوڑی دیر اور باتیں کیں۔ میں ذرا اداس بھی ہو گئی کہ مجھے اب جانا ہوگا۔ کِھتمی نے مجھے کچھ دیر انتظار کرنے کو کہا اور وہ اپنے بستے کی جانب دوڑی۔ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں کوئی سیاہ شے تھی۔
''یہ میرا سفری کیمرہ ہے۔ اس کی مدد سے تم بارہ تصویریں کھینچ سکتی ہو۔ بس اسے ذرا دھیان سے استعمال کرنا!''

***

اب میں کسی شہر کے ایک ایسے چوک میں کھڑی ہوں، جو نہایت خوبصورت منظر پیش کر رہا ہے۔ یہاں جگہ جگہ مختلف مجسمے نصب ہیں۔ شاید ان مجسموں کی تعداد وہاں چلتے پھرتے لوگوں سے بھی زیادہ ہے!

دوسرا سوال

کوئی شخص جو ایک ایسے ملک میں مقیم ہے، جہاں وہ مقامی ثقافت، رسوم و رواج اور ان کے قوانین پر عمل کرتا ہے، تو کیا اس کی بدولت اسے اس ملک کی شہریت حاصل ہو جاتی ہے؟

ان میں سے زیادہ تر مجسمے گھوڑوں پر سوار دیو قامت جنگی جانبازوں کے ہیں، جو تلوار کی مدد سے لڑتے دکھائی دے رہے ہیں۔ میں نے ایسے مناظر اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے۔

میری ہتھیلی پر موجود سکے کی لکھائی کسی ایسی زبان میں ہے، جسے میں پڑھنے یا سمجھنے سے قاصر ہوں۔ مجھے بالکل اندازہ نہیں ہے کہ اس وقت میں کس جگہ کھڑی ہوں!

سورج کی کرنیں ہر جانب پھیلی ہوئی ہیں اور میرے قدم اب خود بخود چوک کے بیچ میں موجود بڑے سے فوارے کی جانب بڑھ رہے ہیں۔

فوارے کے بیچوں بیچ ایک ستون پر ایک جنگی گھڑ سوار کا مجسمہ نصب ہے، جس کے چبوترے پر ایک پستہ قد خاتون بیٹھی ہیں۔ اُن کی عمر تقریباً میری ماں کے برابر ہے۔ انھوں نے اپنے سر اور چہرے کے ارد گرد ایک چھوٹا رنگین دوپٹہ اوڑھا ہوا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے جب ہم اپنے گھر کے قریب جنگل میں ٹہلنے نکلتے تھے تو میری ماں اوڑھا کرتی تھیں۔

"تاوِس بختالی!" ایک بڑی سی مسکان کے ساتھ وہ خاتون مجھ سے مخاطب ہوئیں۔ بے خیالی میں میری نظر ان کے دانتوں کے درمیان شگافوں پر پڑی۔

"مقدونیہ کے شہر اسکوپے (Skopje) میں خوش آمدید!"

'تاوِس بختالی' (T'aves baxtali) رومانی زبان کے تعارفی کلمات ہیں، جس کا مطلب ہے "خوش آمدید!"
کیا آپ پانچ دوسری زبانوں میں "خوش آمدید!" کہنے کے کلمات ڈھونڈ سکتے ہیں؟

میرے ذہن میں اسکول میں پڑھے ہوئے تاریخ کے وہ اسباق یاد آ گئے، جن میں مقدونیہ کے بارے میں بتایا گیا تھا۔ کیا یہ وہی تاریخی ملک نہیں جہاں سے سکندرِ اعظم تعلق رکھتا تھا؟ شاید یہی وجہ ہے کہ یہاں جا بجا تاریخی مجسمے نصب ہیں۔

کیذیا نے مجھ سے اپنا تعارف کروایا۔ انھوں نے بتایا کہ وہ رومانی ہیں اور ان کے سات چھوٹے بچے ہیں، جن میں تین لڑکے اور چار لڑکیاں ہیں۔

انھوں نے اپنی پوری زندگی مقدونیہ میں ہی گزاری، تاہم گذشتہ دس سالوں سے وہ یہاں کے دارالحکومت یعنی اسکوپے میں مقیم ہیں۔

انھوں نے مزید بتایا کہ روما برادری، یورپ کا سب سے قدیم اور بڑا اقلیتی گروہ ہے۔

یہ برادری یہاں اپنی زندگی نہایت کسمپرسی میں گزار رہی ہے۔ مقامی لوگوں کا رویہ اس برادری کے افراد کے ساتھ عموماً ہتک آمیز اور تعصب پر مبنی ہوتا ہے۔ ان کی باتیں سنتے ہوئے مجھے وہ لوگ یاد آ گئے، جن کے ساتھ نیپال میں عموماً برا رویہ رکھا جاتا ہے۔۔۔ جیسے دلیت برادری!

کیذیا بہت شفیق خاتون ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ جانتی ہیں کہ اس وقت کیسا محسوس ہوتا ہے، جب لوگ آپ کے ساتھ برا رویہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے مزید بتایا کہ کیسے وہ اور ان کا خاندان، ایک ایسے ملک میں اپنی شہریت ثابت کرنے میں مشکلات کا سامنا کر رہے ہیں، جہاں وہ پیدا ہوئے ہیں۔

"سب سے چھوٹی بیٹی کے علاوہ میری کسی بھی اولاد کو اب تک رجسٹرڈ نہیں کیا جاسکا۔ میرے چھ بچوں میں سے کسی کے پاس کسی قسم کا کوئی بھی قومی شناختی دستاویز موجود نہیں ہے۔ میری چھوٹی بیٹی اسپتال میں پیدا ہوئی، اس وجہ سے اسے رجسٹرڈ کیا گیا۔ چونکہ میرے باقی بچوں کی پیدائش گھر میں ہوئی، اس وجہ سے انھیں رجسٹرڈ نہیں کیا گیا۔ اگر ان بچوں میں سے کوئی بیمار یا زخمی ہو جائے تو میں ہمیشہ اسپتال میں ڈاکٹروں کے آگے ہاتھ جوڑنے پر مجبور ہوتی ہوں کہ انھیں مفت علاج فراہم کیا جائے، کیونکہ میں ان کی فیس ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ اگر میرے بچوں کے پاس کاغذات ہوتے تو شاید مجھے ان کے علاج معالجے میں اتنی دِقّت نہ پیش آتی۔"

کیذیا نے مزید بتایا کہ مقدونیہ میں یہ ثابت کرنے کے لیے کہ بچے یہاں پیدا ہوئے ہیں، ان بچوں کے رجسٹرڈ پیدائشی سرٹیفکیٹ ہونا لازمی ہے۔ اگر بچے ان کاغذات کے بغیر بڑے ہوتے ہیں، تو انھیں کبھی بھی مقدونی شہریت حاصل نہیں ہو پاتی۔

دلیت برادری کو سب سے نچلی ذات تصور کیا جاتا ہے۔ ذات پات کے نظام میں افراد کو مختلف گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ قدیم زمانوں میں اکثر ذاتیں لوگوں کے پیشوں کی بنیاد پر بنتی تھیں۔ تاہم موجودہ زمانے میں ذات پات کے نظام کو ماننے والے، کچھ ذاتوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور کچھ ذاتوں کو بالکل بھی اہمیت حاصل نہیں ہوتی۔ قدیم سنسکرت زبان میں لفظ 'دلیت' کا مطلب 'مظلوم' ہے۔ آج بھی اس برادری سے تعلق رکھنے والے افراد کے ساتھ بُرا رویہ رکھا جاتا ہے۔ اگرچہ قانونی اعتبار سے اس رویہ کی ممانعت کی جاتی ہے، مگر روّیے اس کے برعکس ہیں۔

کیذیا نے بتایا کہ اس دنیا میں لاکھوں بچے ایسے موجود ہیں، جنھیں شناختی کاغذات نہ ہونے کے سبب کبھی ان ملکوں کی شہریت نہیں مل پاتی، جہاں وہ پیدا ہوئے۔
''جب کوئی ملک کسی بچے کو اپنا شہری تسلیم نہیں کرتا تو وہ بے وطن کہلاتے ہیں۔''
ان کے منہ سے 'بے وطن' جیسا غیر مانوس لفظ سن کر میرا دماغ چکرانے لگا۔
میرے ذہن میں عجیب و غریب خیالات آنے لگے:
کیا اِنکیتا اور میں بے وطن بچے ہیں؟
یہ بے وطن ہونا کیا ہوتا ہے؟
کیا اس کا مطلب اپنی کوئی ریاست نہ ہونا ہے؟
یا اپنا کوئی ملک نہ ہونا؟
اور کیا ایسا بھی ہوتا ہے؟
کیذیا نے مجھے یہ بھی بتایا کہ وہ مقدونی شہریت کیوں نہیں حاصل کر پائیں۔
''جب میں پیدا ہوئی تو میری والدہ کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ وہ اسپتال کی فیس ادا کر پاتیں۔ جس کے نتیجے میں اسپتال نے انھیں کوئی ایسے کاغذات فراہم نہیں کیے، جو یہ ثابت کرے کہ میں وہاں پیدا ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ میری پیدائش کبھی سرکاری دفتروں میں رجسٹرڈ نہیں کی گئی۔ وہ ان دفتروں میں میرے شناختی کاغذات جاری کرنے کا مطالبہ کر سکتی تھیں۔ کاش انھوں نے ایسا کیا ہوتا!
دراصل ایسا اس لیے ممکن نہیں ہو سکا کیونکہ وہ نہ لکھ پڑھ سکتی تھیں اور نہ ہی وہ ان دفتروں کے بار بار چکر لگا سکتی تھیں، جہاں مہنگے لباس اور سخت چہروں والے لوگ تھے اور میری ماں کو اُن سے خوف آتا تھا۔ یہ باتیں مجھے اب سمجھ میں آئی ہیں۔ مجھے کبھی اسکول جانے کا موقع نہیں ملا اور نہ ہی مجھ میں اتنا اعتماد ہے کہ میں سرکاری دفتروں میں موجود ان پڑھے لکھے اور طاقت ور افسران کے سامنے اپنے حقوق کا مطالبہ کر پاؤں۔''
انھوں نے نہایت دکھ کے ساتھ بتایا کہ کتنے والدین ایسے ہوتے ہیں، جو اپنی اولاد کے لیے کھانوں کی ذاتی ترکیبیں، ان کے لیے جائیداد اور سَر پر چھت چھوڑ کر جاتے ہیں، لیکن بد قسمتی سے ان کی اولاد کو ان کی طرف سے غیر یقینی مستقبل ملا۔
''مجھے بڑے دکھ کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ میرے بچوں کو میری طرف سے ورثے میں 'بے وطنی' ملی ہے، کیونکہ میرے پاس شناختی کارڈ نہ ہونے کی وجہ سے میں کوئی باقاعدہ نوکری نہیں کر پائی۔ میں پلاسٹک اور گتے چُن کر کچھ پیسے جوڑ پاتی ہوں۔ میری دلی تمنا ہے کہ میرے بچوں کو اس ملک کی شہریت ملے اور وہ مجھ سے بہتر زندگی گزار سکیں۔''
کیذیا بولتی جا رہی تھی اور مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میرے حلق میں کچھ پھنس سا گیا ہے۔ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔
پھر انھوں نے اپنے تھیلے سے کچھ نکالا۔ یہ ان کے بچوں کی چند خوبصورت تصویریں تھیں۔

اقلیتی گروہ سے مراد لوگوں کی ایسی چھوٹی برادری ہے، جو کسی بھی ملک کی دیگر آبادی سے قدرے مختلف ہوتی ہے۔ یہ تفریق ان کے رسوم و رواج، مذہب، زبان، رنگ یا نسل کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ عموماً ان اقلیتی گروہوں کے ساتھ تعصب برتتے ہوئے برا رویہ اختیار کیا جاتا ہے، جو ہرگز درست عمل نہیں ہے۔

آپ کب اور کہاں پیدا ہوئے؟ کیا آپ کے پیدائشی سرٹیفکیٹ جاری ہوئے تھے؟
کیا آپ جانتے ہیں کہ ان کاغذات کے لیے کن دفتروں میں اور کیسے درخواست دی جاتی ہے؟
آپ اپنے والدین یا سرپرست سے درخواست کیجیے کہ وہ آپ کو آپ کے پیدائشی کاغذات دکھائیں اور غور کیجیے کہ ان کاغذات میں کیا لکھا ہے!

میں نے کیمرہ نکال کر ان کی ایک تصویر کھینچی۔ اس تصویر میں کیذیا کے دو بیٹے کیمرے کو گھور رہے تھے۔ وہ دونوں کافی شرارتی اور ہوشیار نظر آ رہے تھے۔ اگر مجھے ان سے بعد میں بھی ملنے کا موقع ملتا تو میری ان سے پکی دوستی ہوتی۔

کچھ دیر بعد جب سورج کے غروب ہونے کا وقت شروع ہو گیا، تو ہم ایک دوسرے کے ساتھ گلے ملے اور الوداع کہا۔ انھوں نے مجھے دعائیں دیں۔ میں نے انھیں یقین دلایا کہ وہ اور ان کا خاندان ہمیشہ میرے دل کے قریب رہے گا۔

یہ سوچ کر کہ میں بھی بے وطنی کا شکار ہوں، میرے سینے میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ کاش میری پیدائش بھی رجسٹرڈ ہو چکی ہوتی۔۔۔ لیکن کیا صرف پیدائشی سرٹیفکیٹ یہ بات ثابت کرنے کے لیے کافی ہوتے ہیں کہ میرا تعلق کس ملک سے ہے؟

تیسرا سوال

کیا صرف پیدائشی سرٹیفکیٹ کی مدد سے ہمیں کسی ملک کی شہریت مل جاتی ہے؟

میں نے بٹوے میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کوئی سکّہ نکالنے کی کوشش کی کہ اب میں جادوئی سفر میں جانے کے اس طریقے سے بخوبی واقف ہو گئی تھی۔ دیکھتے ہیں اگلا سکّہ مجھے کہاں لے چلتا ہے!

***

ایک خوبصورت، نرم اور ملنسار چہرے کا رُخ میری جانب تھا، جسے دیکھتے ہی میں پہچان گئی کہ یہ روزا ہیں اور میں اس وقت جمہوریہ ڈومینکن میں موجود ہوں۔ میری ہتھیلی میں ایک پیسو کا سکّہ موجود ہے۔ ہم ایک درخت کے سائے تلے سفید پلاسٹک کی کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔

میرے سامنے روزا کی تین بیٹیاں موجود تھیں۔ روزا نے بتایا کہ ان کی بڑی بیٹی دس سال کی، منجھلی آٹھ سال کی اور چھوٹی تین سال کی ہے۔ وہ اس وقت آپس میں ''الاسٹک ـــــ'' کھیل رہی تھیں۔ (اس کھیل میں دو درختوں کے درمیان الاسٹک کی پٹیاں باندھی جاتی ہے اور بچے اوپر اچھل کر اُسے پار کرتے ہیں)

میں نے انھیں اپنی کہانی سنائی اور اپنے خوف کا اظہار کیا کہ کہیں میں بھی بے وطنی کا شکار نہ ہو جاؤں۔ روزا نے میری جانب تھوڑا کھسکتے ہوئے نہایت پیار سے میرے گھٹنوں کو چھوا اور کہا:

''سب سے پہلے تو میں تمھیں یہاں خوش آمدید کہتی ہوں۔ اور میں بھی تمھیں اپنی کہانی سنانا چاہتی ہوں، جسے شاید تم دوسروں کو سنا سکو۔ مجھے بہت خوشی ہوگی جب زیادہ سے زیادہ لوگ ہمارے بارے میں جانیں گے کہ ہمیں کیسے بے وطنی کا شکار بنایا گیا ہے۔''

ہسپانیولا کا جزیرہ دو ممالک کے درمیان منقسم ہے۔ جمہوریہ ڈومینکن اور ہیٹی۔ یہ جزیرہ، براعظم شمالی اور جنوبی امریکہ کے درمیان بحیرۂ کیریبین میں واقع ہے۔ ۱۹۳۰ء کی دہائی میں، ہیٹی میں آباد لوگوں کو آمادہ کیا گیا تھا کہ وہ سرحد پار ملک جمہوریہ ڈومینکن میں نقل مکانی کر کے گنے کی کٹائی کے پیشے سے وابستہ ہو سکتے ہیں۔

روزا نے بتایا کہ ان کے پاس جمہوریہ ڈومینکن کی شہریت موجود تھی، جو کچھ سال پہلے سرکاری طور پر منسوخ کی جا چکی ہے۔ ''میری جان! کچھ لوگ بد قسمتی سے اپنی پیدائش سے ہی بے وطنی کا شکار ہو جاتے ہیں اور پھر اپنی پوری زندگی اس دوڑ دھوپ میں لگے رہتے ہیں کہ انھیں شہریت مل سکے۔ دوسری جانب، ہم جیسے لوگ ہیں، جنھیں شہریت دینے کے بعد اسے چھین بھی لیا جاتا ہے۔

"تمھیں معلوم ہے کہ ۲۰۱۳ء میں یہاں کی حکومت نے ایک نیا قانون منظور کیا۔ اس کے مطابق ہیٹی سے تعلق رکھنے والے تارکینِ وطن کی اولادیں جو مخصوص دستاویزات پیش نہ کر سکیں، انھیں یہاں کی شہریت نہیں ملے گی۔ اگرچہ وہ جمہوریہ ڈومینکن میں ہی کیوں نہ پیدا ہوئے ہوں۔ جمہوریہ ڈومینکن میں رائج شہریت کا پرانا قانون، جو بہت اچھا تھا، اس کے مطابق جو بچہ بھی یہاں پیدا ہوا، اسے یہاں کے شناختی حقوق حاصل ہوں گے۔ تاہم اس قانون میں ہونے والی یہ نئی تبدیلی نہ صرف الجھن کا باعث ہے بلکہ غیر منصفانہ بھی ہے۔

تارکِ وطن سے مراد ایسا شخص ہے جو ایک ملک سے نقل مکانی کر کے کسی دوسرے ملک میں رہائش اختیار کرتا ہے۔ تارکِ وطن کی جمع تارکینِ وطن ہے۔

میرے والد نے جب ہیٹی سے یہاں نقل مکانی کی تو اس وقت ان کی عمر انیس سال تھی۔ انھوں نے یہاں کھیتوں میں کام کیا، گنے کی کاشت کی۔ انھوں نے نہایت محنت و مشقت کر کے اپنی زندگی کا آغاز کیا۔ کسی رقص کی محفل میں ان کی ملاقات میری والدہ سے ہوئی اور پھر ان کی یہیں شادی بھی ہوئی۔ وہ ایک بہت ذمہ دار اور خیال رکھنے والے انسان تھے، جنھوں نے مشقت کر کے اس بات کو یقینی بنایا کہ ہمارے پاس اسکول کی کتابیں اور دوسرا سامان موجود ہو تا کہ ہم تعلیم جاری رکھ سکیں۔ چونکہ انھیں خود پڑھائی مکمل کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا تو وہ چاہتے تھے کہ ہم پڑھیں۔ اگر وہ آج زندہ ہوتے اور انھیں معلوم ہوتا کہ جسے وہ اپنا وطن سمجھ کر آباد ہوئے تھے، وہاں ان کی اولاد۔۔۔ یعنی مجھے اور میرے بچوں کو یہاں کی شہریت سے ہی محروم کر دیا گیا ہے، تو شاید غم کے مارے ان کا دل پھٹ جاتا۔ انھیں یہ جان کر مزید تکلیف ہوتی کہ ان کے نواسے اور نواسیاں اس لیے اسکول نہیں جا سکتے، کیونکہ وہ شہری حقوق سے محروم ہیں۔ یہاں تک کہ مجھے اپنی چھوٹی بیٹی کے پیدائشی سرٹیفکیٹ یہاں رجسٹرڈ کرنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ جب وہ اسپتال میں پیدا ہوئی، تو انھوں نے اس کا سرٹیفکیٹ جاری کرنے سے انکار کر دیا۔ کل جب میری بیٹی بس میں سفر کر رہی تھی تو وہاں اسے کسی نے "اپنے ملک" واپس جانے کا کہا۔ میری آنکھیں بھیگ گئیں جب میری بیٹی نے واپس آ کر مجھ سے پوچھا کہ 'امی! یہ لوگ ہمیں ناپسند کیوں کرتے ہیں؟ ہمارا کیا قصور ہے؟ ہم نے تو یہاں کوئی جرم بھی نہیں کیا، لیکن یہاں لوگوں میں پھر بھی اتنی نسل پرستی اور تعصب پایا جاتا ہے۔'

تعصب سے مراد یہ ہے کہ کسی فرد یا گروہ کو اپنے برابر نہ سمجھتے ہوئے، اس کے ساتھ صرف اس وجہ سے برا رویہ رکھا جائے کہ وہ آپ سے مختلف ہوتے ہیں۔ دوسروں کے ساتھ اس وجہ سے امتیازی سلوک روا رکھنا کہ ان کا تعلق کسی اقلیتی گروہ سے ہے، وہ کسی قسم کی معذوری کا شکار ہیں، یا وہ صنفِ نازک ہیں، نہایت غلط عمل ہے۔

جمہوریہ ڈومینکن میں رہنے والے وہ لوگ جن کے آباؤ اجداد کا تعلق ہیٹی سے ہے، ان کے ساتھ عموماً بہت برا رویہ رکھا جاتا ہے۔ جو ہمارے لیے نہایت تکلیف دہ ہے۔ میں اپنی پوری زندگی ڈومینکن شہری رہی ہوں اور یہی میری پہچان ہے۔ میں تو کبھی ہیٹی گئی ہی نہیں!"

"پھر اب آگے کیا ارادے ہیں آپ کے؟" میں نے روزا سے پوچھا۔

انھوں نے ایک لمحے کے لیے توقف کیا۔ ان کی بھوری آنکھوں میں چمک ابھر آئی تھی۔ انھوں نے ایک نگاہ اپنے بچوں کی جانب کی، جو اچھلنے کودنے اور کھیلنے میں مصروف تھے، اور نہایت حوصلہ مندی سے مسکراتے ہوئے جواب دیا:

"میری جان! ہم اپنے شناختی اور شہری حقوق کے لیے لڑیں گے۔ ہم ڈراموں اور فلموں کے ذریعے اس نئے قانون کے خلاف آگہی پھیلا رہے ہیں۔

اور ہم لوگوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ شہریت یا شناختی حقوق کے بغیر زندگی گزارنا کیسا ہوتا ہے۔ ہمارے پاس شہریت ہونا، ہمارا بنیادی حق ہے اور ہم اس کے لیے گلی اور سڑکوں پہ اس وقت تک اپنا احتجاج جاری رکھیں گے، جب تک حکومت ہمارے مطالبے کو تسلیم کرتے ہوئے ہمارے شہریت بحال نہ کر دے۔''

روزا ایک نہایت بہادر، سمجھ دار اور نیک دل خاتون ہیں۔ میں نے کھیل میں مگن ان کے بچوں کی تصویر لینی چاہی تو ان کے ساتھ کچھ اور بچے بھی تصویر میں شامل ہو گئے۔ ان میں سے ہر ایک بچہ خاص تھا۔ تصویر لینے کے بعد میں بھی بچوں کے ساتھ کھیلنے میں مصروف ہو گئی۔ اسی دوران روزا نے ہم سب کو ناریل کا پانی پلایا۔ تپتی دھوپ میں، میں اسے یوں غٹاغٹ پی گئی کہ میرے ہونٹ بھی اُس پانی سے تر نہیں ہو پائے۔

اس سے پہلے کہ میں انھیں الوداع کہتی، روزا کی بیٹی تالیہ نے گلابی کاغذ پر بنی ایک خوبصورت ڈرائنگ مجھے تھمائی۔

(یہ ڈرائنگ آپ اگلے صفحے پہ دیکھ سکتے ہیں)

روزا نے اس ڈرائنگ کی وضاحت کی:

''صفحے کے بائیں جانب تالیہ نے اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ میرے پاس میری پیدائش کا سرٹیفیکٹ نہیں ہے۔ میری امی اور بہن اس کے لیے بھاگ دوڑ کرنے کے باوجود جب کامیاب نہیں ہو پاتیں تو یہ بات مجھے بہت اداس کرتی ہے۔ جب میرے پاس یہ کاغذات نہیں ہوں گے تو اس کا مطلب ہے کہ میں اپنی تعلیم جاری نہیں رکھ پاؤں گی۔ صفحے کے دوسرے جانب اس نے اپنے آپ کو 'بدقسمت ملکہ' قرار دیتے ہوئے اپنی تصویر بنائی ہے اور لکھا ہے کہ 'جب میرے پاس یہ کاغذات ہوں گے، میں تب ہی خوش ہو سکوں گی۔ کیونکہ اس طرح میں اپنی تعلیم مکمل کر پاؤں گی۔'''

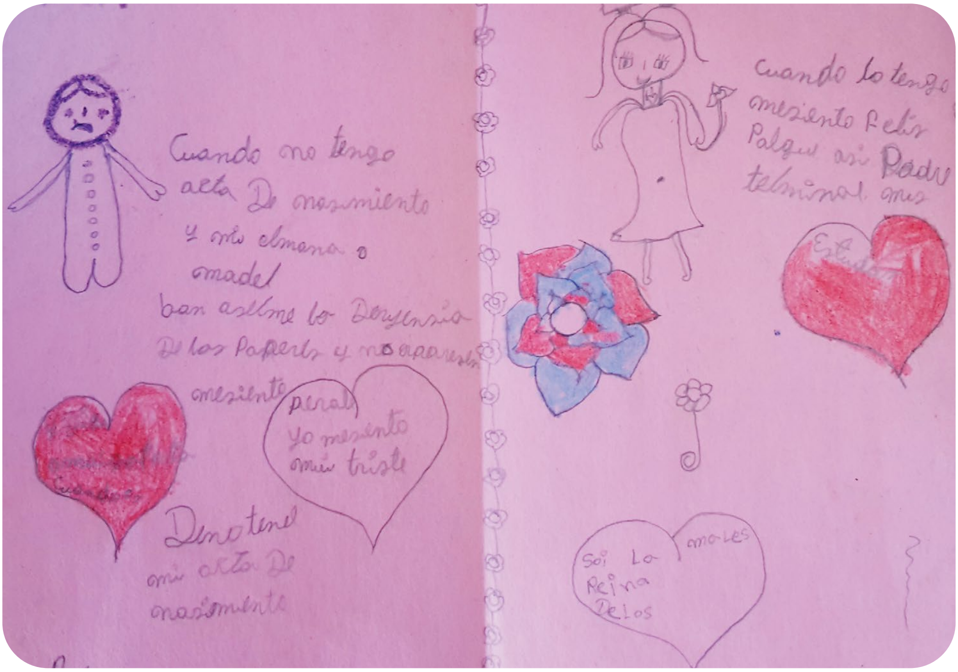

اس ڈرائنگ کو دیکھتے اور ان باتوں پہ غور کرتے ہوئے میرے غم وغصے کے ملے جلے جذبات تھے، کہ دنیا بھر میں **تالیہ** جیسے ننھے بچوں کو نہ چاہتے ہوئے بھی اس مسئلے سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ یہ مسئلہ صرف میرا یا **نِکیتا** کا نہیں ہے۔ مجھے اس بارے میں مزید جاننے اور عملی کوشش کرنے کی ضرورت ہے تاکہ میں، اپنے اور باقی سب کے بہتر مستقبل کے لیے کام کر سکوں۔

لوگ اپنی شہریت سے محروم بھی کر دیئے جاتے ہیں! یہ سنناہی کس قدر عجیب و غریب بات معلوم ہوتی ہے! روزا، جس کے بچے روزانہ اسکول جاتے تھے۔۔۔ اور ایک دن انھیں سب چیزوں سے محروم کر دیا گیا۔۔۔ اس بات نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا!

***

چوتھا سوال

ایسے بچے جو شہری حقوق سے محروم ہوتے ہیں، وہ کیا چیزیں نہیں کر پاتے؟

میں ایک بڑے سے باغ میں ہوں جو اونچے درختوں سے گھرا ہوا ہے۔ زمین قدرے غیر ہموار ہے۔ کہیں سبزہ ہے تو کہیں مٹی کے ڈھیر۔ یوں لگتا ہے کہ یہاں بہت زیادہ ہل چل اور اودھم مچایا جاتا رہا ہو۔ میں نے اپنی ہتھیلی پہ موجود سکے پر غور کیا، اس پہ '۱۰ فرانکو' لکھا تھا۔ لیکن میں اس وقت فرانس میں تو نہیں ہوں!
بلکہ دلچسپ بات یہ ہے کہ اب فرانس میں بھی فرانکو نامی کرنسی کے بجائے یورو رائج ہے۔ آئیوری کوسٹ، جو ماضی میں فرانس کے زیرِ قبضہ کالونی رہا ہے، اس کی کرنسی اب بھی فرانکو کہلاتی ہے۔

پانچواں سوال

ایسے افراد جن کے پاس شہریت موجود ہوتی ہے، وہ اس حق سے کیوں اور کیسے محروم کیے جاتے ہیں؟

وہاں موجود ایک چھوٹی سی لڑکی سے میری دعا سلام ہوئی، اس کا نام گریس ہے۔ سیاہ رنگت پر اس کی پھندنی سی ناک قدرے شرارتی معلوم ہوتی ہے۔ اس کے بالوں کی چھوٹی چھوٹی چوٹیاں بنی ہیں۔

’’ہیلو نیہا، میں ایس او ایس چلڈرن ولیج میں، جو میرا گھر بھی ہے، تمھیں خوش آمدید کہتی ہوں!‘‘

وہ پھر مجھے یتیم خانے کے احاطے کا دورہ کروانے لگی۔ ناریل کے اونچے اونچے درخت جابجا نظر آرہے ہیں اور سرسبز گھاس پر کئی چھوٹے چھوٹے گھر بنے ہوئے ہیں۔ دو بچے ہمارے سامنے سے پکڑم پکڑائی کھیلتے، دوڑتے بھاگتے گزرے۔ میں کیا دیکھتی ہوں کہ ایک گھر کے برآمدے میں میز کے گرد کچھ بچے اور ایک خاتون بیٹھے ہیں۔ شاید وہ اپنے اسکول کا کام کر رہے ہیں!

’’میں نہیں جانتی کہ میرے ماں باپ کون تھے۔ میرا تعلق کہاں سے ہے یا میری پیدائش کہاں ہوئی تھی۔ ایسا لگتا ہے کہ میری پیدائش کے وقت میں اپنے والدین سے بچھڑ گئی اور پھر کوئی مجھے یہاں لے آیا۔ میرا اندازہ ہے کہ میں بارہ سال کی ہوں، لیکن یہ پکی بات نہیں ہے!‘‘

گریس کے نین نقش بہت پیارے ہیں، سو میں نے جھٹ سے اس کی ایک تصویر اتاری۔ گریس نے مجھے بتایا کہ آئیوری کوسٹ میں والدین کے کاغذات کے بغیر شہریت کا حصول بہت مشکل ہوتا ہے:

’’یہاں کے شہریوں کے لیے ضروری ہے کہ ان کے پاس اپنے والدین کے پیدائشی سرٹیفکیٹ ہو، جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ وہ اس ملک کے شہری ہیں۔ تمھیں معلوم ہے نیہا! میرے پاس ان میں سے کوئی بھی دستاویز موجود نہیں، اور نہ ہی میرے پاس کوئی ثبوت ہے کہ میرے والدین آئیورین تھے۔ اس وجہ سے یہ لوگ مجھے لاوارث کہتے ہیں اور میں نے انھیں یہ بھی کہتے سنا ہے کہ میں ایک بے وطن بچی ہوں۔‘‘

’’میرے لیے وہ بہت بُرا دن ہو گا کہ میں صرف اس وجہ سے اپنی تعلیم جاری نہ رکھ سکوں گی۔‘‘ گریس نے اپنی بات جاری رکھی۔

’’آئیوری کوسٹ میں بے وطنی کا شکار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ بہت سارے ضروری کام نہیں کر سکتے۔ مثلاً آپ باقاعدہ نوکری نہیں کر سکتے، بینک اکاؤنٹ نہیں کھلوا سکتے، رہائش کے لیے زمین نہیں خرید سکتے اور نہ ہی ملک میں آزادانہ آمدورفت کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود میری خواہش ہے کہ میں جگہ جگہ گھوم سکوں۔‘‘ اس نے بتایا۔

آئیوری کوسٹ، ماضی میں فرانس کی نوآبادی ہوا کرتا تھا۔ نوآبادی سے مراد ایسا ملک ہوتا ہے، جس پر کوئی دوسرا ملک حملہ کر کے قبضہ جمائے اور وہاں پر مقامی لوگوں کے بجائے قابض ملک کی حکومت ہو۔ فرانسیسی قبضے کے دوران، فرانسیسی باشندوں کی ایک تعداد، آئیوری کوسٹ میں آبسی۔ فرانس نے پڑوسی ملک ’برکینا فاسو‘ پر بھی قبضہ کیا ہوا تھا، اور وہاں کے باشندوں کو زبردستی آئیوری کوسٹ لایا گیا تاکہ ان سے یہاں باغ بانی کا کام لیا جا سکے۔ ۱۹۶۰ء میں آئیوری کاسٹ کے آزادی حاصل کرنے کے بعد، برکینا فاسو سے تعلق رکھنے والے لوگوں میں بہت سے افراد اور ان کی اولادیں یہیں کے ہو کر رہ گئے تھے۔

LA MAISON BLANCHE

لاوارث سے مراد بچھڑے ہوئے وہ معصوم بچے ہیں جن کے والدین کے بارے میں وہ خود یا کوئی اور شخص بھی ناواقف ہوتا ہے۔

"میں چاہتی ہوں کہ میں دارالحکومت 'ابیدجان' کی سیر کروں اور ملک ملک گھوموں۔ میری خواہش ہے کہ میں بڑی ہو کر اس ملک کی وزیرِ خزانہ بنوں۔ میں ایک ایسی بااختیار لڑکی بننا چاہتی ہوں، جو دوسروں کے کام آسکے۔ یہ کامیابیاں ہی میرے لیے اصل خوشی کا باعث ہوں گی۔"

اس کی باتیں سن کر میرے ذہن میں خیالوں کا ایک تانتا بندھ گیا۔ 'کیا ملکوں کے لیے ایسے بچوں کو اپنا شہری تسلیم کرنے کے لیے آسانی نہیں کرنی چاہیے، اگرچہ ان کے پاس پیدائشی سرٹیفکیٹ نہ ہو؟' یہ کتنی احمقانہ بات ہے کہ آپ کو صرف اس لیے شہری تسلیم نہیں کیا جا رہا ہو، کیونکہ آپ کے پاس صرف ایک کاغذ کا ٹکڑا موجود نہیں ہے!'

اُن ممالک سے پوچھنا چاہیے کہ یہ بچے آخر جائیں کہاں؟ ان بچوں سے اور کیا کیے جانے کی توقع رکھتے ہیں یہ ممالک؟

گریس اور میں انھی بچوں کے پاس بیٹھ گئیں، جن کے سامنے سے ہم تھوڑی دیر پہلے گزرے تھے۔ وہ اب بھی میز پر بیٹھے کام کر رہے تھے۔ ان بچوں میں سے ایک لڑکے مالک نے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی ایک تصویر مجھے تھمائی۔ اس کے نرم و نازک چہرے پر آنکھوں کے نیچے، بیج کی مانند داغ، نے میری توجہ حاصل کی، جس نے مجھے اس کی زندگی کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا۔ اس کی تھمائی ہوئی تصویر میں لوگوں کی ایک قطار بنی تھی، جو شناختی کارڈ کے حصول کے لیے کھڑے تھے۔ اس کی یہ تصویر میرے دل کو بہت بھائی اور میں نے فوراً اس کی فوٹو اتاری۔ وہاں موجود دوسرے بچوں کی بنائی ہوئی کچھ اور خوبصورت تصویروں کو بھی میں نے اپنے کیمرے میں محفوظ کر لیا۔

چھٹا سوال

دنیا کے ممالک اس بات کو کیوں یقینی نہیں بناتے کہ ہر بچے کے پاس حقِ شہریت ہو، اگرچہ انھیں معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں پیدا ہوئے ہیں یا ان کے والدین کون تھے؟

مالک نے مجھے بتایا کہ وہ بھی نہیں جانتا کہ اس کے والدین کون ہیں۔ اسے ان کے بارے میں کچھ یاد نہیں۔ وہ بھی شہریت نہیں حاصل کر سکتا کیونکہ اس کے پاس اپنے والدین کے ایسے کوئی کاغذات موجود نہیں ہیں۔

ایک کاغذ اور کچھ رنگین پنسلیں ہاتھ میں لیے، میں بھی ان کے ساتھ بیٹھ کر ڈرائنگ بنانے لگی۔۔۔

دن کے اختتام پر ایک پرانے جھولے پہ میں اور گریس پینگیں بھر رہے تھے۔ ہم تربوز کے ٹکڑے کھاتے ہوئے ایک دوسرے کی بنائی ہوئی تصاویر پر تبصرہ کر رہے تھے۔ اپنے گندے ہاتھوں سے اس کی تصویر پر داغ لگنے پر میں نے اس سے معذرت کی۔ گریس کی تصویر پر بے شمار چھوٹے چھوٹے نقطے تھے۔ اس نے اپنی انگلیاں کاغذ پر پھیری اور مجھے سمجھانے لگی کہ ان نقطوں کے پیچھے کیا کہانی ہے:

ICI
LES CARTES
DE
NATIONALITE

''شہریت سے محرومی کسی ایک بچے کا مسئلہ ہوتا تو چلو سمجھ میں آتا ہے، کیونکہ ایسا ممکن تھا کہ کوئی خاندان اس لے پالک بچے کا کفیل بن جاتا اور ان کی جانب سے اس بچے کو شہریت مل جاتی۔ لیکن دیکھو نیہا، یہ ہم سب ہیں۔ ہماری تعداد ہزاروں میں ہے۔ ہم آئیوری کوسٹ کے گمشدہ بچے ہیں۔ یہ ملک میرا گھر ہے، یہ ہم سب کا گھر ہے۔ میں۔۔۔ ہم۔۔۔ اس ملک کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ میں چاہتی ہوں کہ یہاں ہمیں اپنے بچوں کی طرح قبول کیا جائے۔ مجھے موقع ملا تو میں اس ملک کو بہت کچھ واپس دوں گی، اگر میں صرف اسکول جا سکوں اور نوکری کر سکوں۔ ہم سب اپنے لیے اور اس ملک کے لیے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ میرا کامل یقین ہے کہ ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں۔''

تاروں بھرے آسمان تلے باتوں ہی باتوں میں ہم گہری نیند کی وادیوں میں کھو گئے۔

***

جب میری آنکھ کھلی تو مجھے سامنے قدرے تاریک پگڈنڈی نظر آئی۔ بدبو کا دور دورہ تھا۔ مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں اور ہر طرف کوڑا کرکٹ پڑا تھا۔ طلوعِ آفتاب کا وقت تھا۔ موسم ٹھنڈا تھا، لیکن مجھے لگ رہا تھا کہ جلد ہی گرمی پڑنے والی ہے۔

کچھ دیر میں جب میری آنکھیں روشنی اور ماحول کے عادی ہو گئیں تو مجھے ایک دبلا پتلا سا بچہ نظر آیا، جو میری جانب نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔ اس کا دھڑ برہنہ تھا اور اس نے ایک پرانا پاجامہ پہنا ہوا تھا۔ وہ شرمیلا تھا، مگر اس کی آنکھیں متجسس تھیں۔

''آداب'' میں نے کہا۔ وہ مسکرایا اور وہاں سے دوڑ لگا دی۔ میں نے اس کا پیچھا کیا۔ دوڑتے ہوئے وہ ایک پلاسٹک کی خالی بوتل کو لات مار رہا تھا۔ جب میں اس کے قریب پہنچی، تو اس نے بوتل میری طرف اچھالی۔ میں نے اسے واپس اس کی جانب اچھالا اور ہم دونوں ہنس پڑے۔

''میرا نام نیہا ہے، میں نیپال سے ہوں!''

بچے نے نظریں جھکا لیں۔

''تمھارا نام کیا ہے؟ تم کہاں سے ہو؟'' مگر مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔

''یہ کون سی جگہ ہے؟'' میں نے ایک بار پھر کوشش کی۔

''کوٹوپالونگ'' مختصر جواب ملا۔

میرے نا سمجھنے کے انداز کو محسوس کرتے ہوئے اس نے اضافہ کیا: ''بنگلہ دیش۔''

میں نے اپنی ہتھیلی میں موجود سکے پر نظر ڈالی، یہ بنگلہ دیشی ٹکا تھا۔

''اوہ اچھا! تو تم بنگلہ دیشی ہو؟''

اس نے دوبارہ نظریں جھکائیں اور اپنا سر نفی میں ہلا دیا۔

''تم کہاں سے ہو؟'' میں نے پھر پوچھا۔

''میانمار۔''

''اوہ اچھا، تو تم برمی ہو؟''

اس مرتبہ اس کا سر اثبات میں ہلا۔

''لوگ ہمیں بنگالی پکارتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم بنگلہ دیش سے ہیں۔ لیکن ہم روہنگیا ہیں۔ ہمارا تعلق میانمار سے ہے، وہی ہمارا اصل گھر ہے۔''

''تو پھر تم وہاں سے یہاں کیسے پہنچے؟'' میں نے پوچھا۔

''انھوں نے ہمیں وہاں سے زبردستی نکالا۔'' اُس نے جواب دیا۔

''انھوں نے ہمارے گھر جلا دیے اور ہم لوگوں پر گولیاں چلائیں۔ یہ بہت ہولناک تھا!''

اس کی باتیں سُن کر میں ششدر رہ گئی اور مجھے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ میں اس سے کیا کہوں!

اچھی بات یہ تھی کہ اب اس کی جھجک کافی حد تک ختم ہوگئی تھی اور وہ خود ہی بتاتا رہا:

''ہمارا گاؤں بہت خوبصورت تھا۔ لیکن اب وہاں سب کچھ جل کر راکھ ہو چکا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں کبھی واپس جا پاؤں گا بھی یا نہیں۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں میں اسے بھول نہ جاؤں! اس لیے جب بھی میں آنکھیں موندتا ہوں تو وہاں کے ہر منظر اور وہاں کی مہک کو یاد رکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ایک ایسی جگہ جہاں کی ہر چیز اور منظر سے آپ کو اپنائیت محسوس ہو، اس کے بارے میں وہ لوگ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس جگہ سے ہمارا کوئی تعلق نہیں؟ یہ بات میری سمجھ میں تو بالکل نہیں آتی!''

میں اُسے اور اس کے جذبات واحساسات اور غم کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

کیا اس کے پاس کوئی شہریت ہے یا وہ بھی بے وطن ہے؟

آخر اسے اس کے اپنے ہی ملک سے کیوں نکالا گیا ہے؟ کیا ایسا میرے ساتھ بھی ہو سکتا ہے؟

میں نے اُس سے پوچھا کہ کیا وہ اکیلے وہاں سے جان بچا کر نکلا تھا؟

اُس نے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور ہم ایک کھلی جگہ پہ جا کر رکے۔ تب مجھے احساس ہوا کہ ہم ایک چھوٹی سی پہاڑی پر ہیں۔ اُس نے نیچے کی جانب اشارہ کیا۔ جہاں تا حدِّ نگاہ، جھونپڑیوں اور خیموں کا ایک سمندر تھا ــــ ہر طرف لوگوں کا ہجوم تھا۔ یقیناً ہزاروں لاکھوں لوگ یہاں آباد تھے!

''اب یہی ہمارا گھر ہے!'' اُس نے بتایا۔ ''کیونکہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم وہاں کے نہیں ہیں۔''

میری آنکھیں آنسوؤں سے بوجھل ہو گئیں، لیکن میں اُسے اداس نہیں کرنا چاہتی تھی، اس لیے میں نے بات بدلنے کی کوشش کی:

''کیا تمھیں فٹ بال پسند ہے؟ آؤ ہم مل کر کھیلتے ہیں، میں گول کیپر بنوں گی!''

کچھ دیر بعد میں نے اس کی ایک تصویر اتاری۔ اس کی مسکراہٹ بہت پیاری تھی۔

میں ڈائری نکال کر اس کی باتیں لکھنے لگی۔

وہاں سے اس کے جانے کے بعد مجھے یاد آیا کہ میں نے اس کا نام تو پوچھا ہی نہیں!

وہ 'بے نام' تھا۔ اپنے لوگوں کی طرح، جن کی ''روہنگیا'' پہچان کو ان کے اپنے ملک میں ہی تسلیم نہیں کیا جا رہا تھا!

روہنگیا، ایک نسلی اقلیت ہے، جو صدیوں سے میانمار (برما) میں آباد رہے ہیں۔ میانمار ایک متنوع ملک ہے، جہاں کئی نسلی اور مذہبی گروہ آباد ہیں۔ تاہم، میانمار کے بہت سے لوگ روہنگیا کو قبول نہیں کرتے اور انھیں میانمار کا شہری ہی تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اس وجہ سے وہ بے وطن ہو گئے ہیں۔ دنیا کی کسی بھی دوسری بے وطن آبادی کے مقابلے میں، روہنگیا کے ساتھ انتہائی بدترین سلوک روا رکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لاکھوں کی تعداد میں روہنگیا برادری کو میانمار سے جان بچا کر بنگلہ دیش، ملائشیا، تھائی لینڈ، بھارت، پاکستان، سعودی عرب اور دوسرے ممالک میں پناہ لینا پڑی۔

ساتواں سوال

ان بے وطن افراد کے ساتھ کیا ہوتا ہے ، جن کے ساتھ اپنے ہی ملک میں اتنا ظالمانہ رویہ روا رکھا گیا کہ انھیں اپنی جان بچانے کے لیے کسی دوسرے ملک میں پناہ لینا پڑی ہو؟

”مجھے بہت افسوس ہو رہا ہے۔ میری خواہش ہے کہ میں اس سے دوبارہ ملوں اور اس سے حال احوال دریافت کروں۔
میں نے آنکھیں بند کر کے اپنے بٹوے میں سے ایک سکّہ نکالا۔۔۔

***

میرے نیچے زمین ڈول رہی تھی۔ مجھے متلی سی محسوس ہوئی۔ یہ سمجھنے میں کہ کیا ہو رہا ہے، مجھے تھوڑا وقت لگا۔ بالآخر مجھے سمجھ میں آیا کہ میں ایک لکڑی کی بنی بڑی سی کشتی میں ہوں، جو مسلسل ہچکولے کھا رہی ہے۔ برابر ہی ایک اور کشتی ہے جس پر لکڑی کا بنا ہوا ایک گھر ہے۔ اسی طرح قطار در قطار سلسلہ نظر آیا۔ کچھ کشتیاں اور گھر، لکڑی کے تختوں، سیڑھیوں اور جالوں سے آپس میں جُڑے ہوئے ہیں۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ بچے ایک کشتی سے دوسری کی طرف تیزی سے دوڑتے نظر آرہے تھے۔ اس سے مجھے کٹھمنڈو کی ایک کچی آبادی کی یاد آگئی۔ آوارہ کتے بھی آس پاس مٹر گشت کر رہے تھے۔
میرے سکے پر ’رنگِٹ‘ لکھا تھا، جس سے مجھے معلوم ہوا کہ میں اس وقت ملائشیا میں موجود ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ کچھ ہی عرصہ قبل تک، دنیا کی بلند ترین عمارت ملائشیا میں تھی۔ لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ یہاں سمندر پہ آباد گاؤں بھی ہیں!

بچوں کی ایک ٹولی اچھلتے کودتے میرے قریب آئی۔ ایک جھجھک بھری مسکراہٹ کے ساتھ میرے منہ سے بے ساختہ نکلا: ''مجھے تیرنا نہیں آتا!''

''پریشانی کی کوئی بات نہیں!'' اُس ٹولی میں موجود ایک بچے نے بے فکری سے جواب دیا۔ اُس نے ایک بوسیدہ اور میلی بنیان اور نیکر پہنی ہوئی تھی۔

''ہم اس میں خوب ماہر ہیں۔'' باقی بچوں کا قہقہہ بلند ہوا۔

ایک لمبے قد کا لڑکا بولا:

''ہم سمندر کے محافظ ہیں، ہم تمھاری حفاظت کریں گے!''

ایک پست قامت لڑکے آصف نے کھانے کے لیے کوئی چیز مجھے تھمائی جو چھونے میں 'سوسیج' جیسی محسوس ہوئی۔

''یہ سمندری کھیرا ہے۔''

میں نے اس کی ایک پھانک لی، لیکن پیٹ میں ہونے والی گڑگڑ کی وجہ سے میں اسے ختم نہیں کر پائی۔

آصف اور دوسرے بچے مجھے بتانے لگے کہ وہ 'باجاؤلوت' ہیں:

''ہم انھی کشتیوں پہ رہتے ہیں اور یہیں کام کرتے ہیں۔''

کچی آبادی، عام طور پر شہر کے اُن پسماندہ اور گنجان آباد علاقوں کو کہتے ہیں، جہاں غریب لوگ رہتے ہیں۔ ایسی جگہوں پر بنیادی سہولیات جیسے سیوریج اور صاف پانی کی فراہمی کا باقاعدہ نظام نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے یہ علاقے انتہائی آلودگی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ملائیشیا، جنوب مشرقی ایشیا کا ایک ملک ہے۔ رقبے کے لحاظ سے یہ ملک تقریباً دو برابر حصوں، یعنی 'جزیرہ نما ملائیشیا' اور 'مشرقی ملائیشیا' پر، مشتمل ہے جنھیں بحیرۂ جنوبی چین آپس میں جدا کرتا ہے۔ ملائیشیا ماضی میں برطانیہ کی نوآبادی رہ چکا ہے۔ یہاں بہت سارے نسلی گروہ، مذاہب اور ثقافتیں موجود ہیں۔ ملائیشیا کے کھانے لاجواب ہیں!

''کیا تم لوگ بھی یہاں کام کرتے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''ہاں، ہمیں اپنے والدین کا ہاتھ بٹانا پڑتا ہے۔ ہم چونکہ اسکول نہیں جاتے، اس لیے کبھی مچھلیاں پکڑتے ہیں یا پھر کساوا اور چاول کی کٹائی کرتے ہیں۔''

باجاؤ لوت (جنھیں 'ساما دلوت' بھی کہا جاتا ہے)، ایک ایسی برادری ہے جن کی اکثریت ملائیشیا کے صوبہ صباح کی ساحلی پٹی میں کشتیوں پہ آباد ہیں۔ یہ لوگ اپنی خوراک اور روزگار، دونوں کے لیے سمندر پر انحصار کرتے ہیں۔

مجھے بعد میں اس بات کا علم ہوا، چونکہ ملائیشیا ان لوگوں کو اپنا شہری تسلیم نہیں کرتا، تو وہ اسکول نہیں جا سکتے۔

رِیکی کے چہرے پر ایک دل فریب مسکراہٹ تھی۔ اس کے بال ایک موٹے سوتی کپڑے سے بندھے ہوئے تھے۔ اس کا پہناوا اس کے قد و قامت کے اعتبار سے بڑا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ اور اس کے بہن بھائی کبھی کسی دوسرے ملک میں نہیں گئے، لیکن ملائیشیا پھر بھی انھیں شہری تسلیم نہیں کرتا۔

''یہاں کی حکومت سمجھتی ہے کہ باجاؤ لوت 'فلپائنی' ہیں۔'' اس نے بتایا۔

''سو میری پیدائش سے قبل ہی میری قسمت کا فیصلہ ہو گیا تھا کہ میں بے وطن ہوں گی۔ میں نے یہ بے وطنی اپنے والدین سے وراثت میں پائی، جن کو یہ وراثت اپنے والدین سے منتقل ہوئی تھی۔''

آصف نے مجھے مچھلی پکڑنے والا آلہ تھماتے ہوئے اسے استعمال کرنا سکھایا۔ اس نے بتایا کہ وہ دو سال سے اپنے والد سے نہیں ملا۔

''چونکہ میرے ابو کے پاس شناختی کارڈ نہیں تھا، اس لیے پولیس نے انھیں گرفتار کر لیا۔ مجھے امی نے بتایا تھا کہ وہ کسی جیل میں قید ہیں۔ لیکن پھر ہمیں یہ بھی خبر ملی کہ حکومت نے کچھ لوگوں کو زبردستی فلپائن بھیج دیا ہے۔ میں پُر امید ہوں کہ انھوں نے میرے والد کو وہاں نہیں بھیجا ہو گا۔ وہ کبھی وہاں رہے ہی نہیں، اور نہ ہی وہ کسی سے وہاں پر واقف ہیں۔''

چونکہ میری طبیعت میں متلی کی کیفیت اب بھی موجود تھی، تو ہم زمین پر اتر آئے۔ رِیکی نے مجھے دکھایا کہ وہ پتھر کے بنے ہوئے ہاون پر ایک بڑے سے دستے کی مدد سے چاول کوٹ کر اپنی امی کا ہاتھ بٹاتی ہے۔ میں نے بھی کوٹنے کی کوشش کی، لیکن وہ دستہ نہایت وزنی تھا!

میں حیران ہوئی کہ وہ یہ سارا کام کیسے کر لیتی ہے۔ وہ کتنی مضبوط لڑکی ہے!

میں نے جھٹ سے اس کی ایک تصویر کھینچ لی!

یہ ایک نہایت منفرد تجربہ تھا۔ مجھے کبھی معلوم نہیں تھا کہ لوگ سمندر پر بنے گھروں میں رہتے ہیں۔ یہ بچے کتنے خوش مزاج اور زندہ دل ہیں۔ انھیں دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا کہ ان کی زندگی کتنی تکلیف دہ ہے اور یہ کہ وہ اسکول نہیں جا سکتے۔ وہ سخت محنت مزدوری کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان میں سے کچھ کے والدین جیل میں قید ہیں۔ اور یہ کہ ان کی ساری مشکلات کی جڑ اُن کی بے وطنی ہے!

اب میرے الوداع کہنے کا وقت ہو چکا تھا۔ میں نے اپنے نئے دوستوں سے رخصت لی اور ایک بار پھر اپنے سکے کے عمل کو دہرایا۔

***

آنکھیں کھولتے ہی میرے نتھنوں سے ایک میٹھی خوشبو ٹکرائی۔ میں جس باورچی خانے میں موجود تھی، وہاں الائچی اور ابلتے ہوئے چاول کی خوشبو بسی ہوئی تھی۔ یہاں ایک دبلی پتلی خاتون، جس کے بھورے بال فرانسیسی چوٹی میں گندھے ہوئے تھے، تیزی سے کوئی پکوان تیار کر رہی تھی۔ چولھے پر چار ہانڈیاں رکھی تھیں، جن میں سے اُبلنے، بھاپ نکلنے اور سُرڑ سُرڑ کی آوازیں آرہی تھیں۔ خاتون نہایت مہارت سے چاروں ہانڈیوں میں مختلف کھانے پکا رہی تھیں۔

''سیما، مجھے ذرا یہ پیاز دینا!'' وہ کمرے کے ایک کونے میں بورڈ گیم کھیلتی لڑکی سے مخاطب ہوئی۔

سیما نے ماں کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنا بورڈ گیم اٹھایا اور میرے پاس دوڑ کر چلی آئی۔

براعظم یورپ کے ۹ ممالک میں استعمال ہونے والی کرنسی یورو ہے۔ ان ممالک میں سے ہر ایک کی کرنسی کے پشت پر اس کا اپنا ڈیزائن ہوتا ہے۔

"ہیلو! تم کون ہو؟" مجھ سے پوچھا گیا۔

اب تک میں لوگوں سے کھلنے ملنے اور انھیں اپنی کہانی سنانے میں کچھ کچھ ماہر ہو گئی تھی۔ وہ سب میرے ارد گرد جمع ہو جاتے اور مجھے سنا کرتے۔ میں اس وقت جرمنی میں ہوں، یہ مجھے اس ایک یورو کے سکے سے پتہ چلا جو میری ہتھیلی پر موجود ہے۔ مجھے نیدرلینڈ کے لُوکس کی یاد آئی، جس نے بتایا تھا کہ اس کی پیدائش جرمنی میں ہوئی تھی۔ کیا اسے یہ جان کر خوشی نہیں ہوگی کہ میں اس سفر میں تقریباً وہاں واپس آگئی ہوں، جہاں سے میں نے آغاز کیا تھا؟

سارے نہیں لیکن اکثر ناموں کے خاص معنی ہوتے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی اپنے نام کا مطلب ڈھونڈنے یا سمجھنے کی کوشش کی ہے؟ آپ کی مادری زبان میں آپ کے نام کا کیا مطلب ہے؟ کیا آپ نے یہ بھی جاننے کی کوشش کی ہے کہ دوسری زبانوں میں آپ کے نام کا مطلب کیا ہے؟

"نیہا!" میرا جواب سن کر سیما نے قہقہہ لگاتے ہوئے بتایا:

"عربی زبان میں نیہا کا مطلب ہے 'محبت اور بارش'۔ کیا یہ کچھ عجیب نہیں ہے! بارش سے بھلا کون محبت کرتا ہے؟"

میں اس کی بات سُن کر ہنس پڑی۔ میں نے اسے بتایا کہ نیپالی زبان میں بھی میرے نام کا مطلب 'محبت اور بارش' ہے، لیکن اس کا مطلب 'آنکھیں' بھی ہے۔ میری امی ہمیں ہمیشہ بتاتی تھیں کہ نیہا کا مطلب ہے 'خوبصورت آنکھیں' اور 'نِکیتا' کا مطلب ہے 'آہنی شہزادی'!

سیما نے تجویز کیا کہ ہم کھانے کے تیار ہونے تک آپس میں پہیلی بوجھنا کھیلتے ہیں۔ کھیل کے دوران میں یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ سیما کے پاس کون سا کارڈ ہے اور اس سے ہاں یا نہ والے سوالات پوچھ رہی تھی۔ جیسے "کیا اس شخص نے عینک پہنی ہے؟"

اس نے مجھے بتایا کہ وہ مکمل عربی نہیں بول سکتی، لیکن وہ کوشش کرتی ہے۔ وہ بنیادی طور پر اپنے گھر والوں کے ساتھ کُرد زبان بولتی ہے۔ وہ جرمن اور انگریزی زبانیں بھی بولنے کی کوشش کرتی ہے، اسے مختلف زبانیں سیکھنا پسند ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں اس سے اپنی پہیلی کے سوالات نیپالی میں پوچھوں۔

تھوڑی دیر بعد سیما، اس کے والدین اور میں، بیٹھک کے فرش پہ بیٹھ گئے۔ بھوک کے مارے میرے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے لگے۔ سیما کی ماں لورینا کے ہاتھ کے بنائے ہوئے طرح طرح کے لذیذ پکوان دستر خوان پہ چُنے ہوئے ہیں۔ ان میں آٹے کے تلے ہوئے پیڑے بھی موجود ہیں، مگر مجھے نہیں معلوم کہ ان پیڑوں کے اندر کیا بھرا ہوا ہے۔ گرما گرم پھولی ہوئی چپاتیاں بھی ہیں اور چاول، جس کے اوپر خوشبودار الائچی کے بکھرے ہوئے دانوں کی ایک خستہ اور دبیز تہہ ہے۔ میں نے آج سے پہلے کبھی چاولوں کا ایسا پکوان نہیں دیکھا ہے۔ ان کھانوں کی مہک نے مجھے انھیں چکھنے کے لیے بے تاب کر دیا ہے۔

سیما اور اس کا خاندان جرمنی میں پناہ لینے والے شامی کُرد ہیں۔ کھانے کے دوران اس کے والد سمیع نے مجھے بتایا:

"ہم کُرد ہیں۔ میری بیوی اور میرے بچوں کی طرح میری پیدائش بھی ملکِ شام میں ہوئی تھی۔ جنگ چھِڑنے سے قبل تک ہم وہی آباد رہے۔ لیکن ہم میں سے کسی کے پاس شامی شہریت نہیں تھی۔ نیہا! ہم 'مکتوم' کہلاتے ہیں، جس کا مطلب ہے کہ ہم شام میں رجسٹرڈ نہیں ہیں۔ جب ۱۹۶۲ء میں مردم شماری کی گئی تو بہت سے کُرد شامیوں کو رجسٹرڈ نہیں کیا گیا تھا۔

میرے دادا جس مکان میں کرائے پہ رہ رہے تھے، اس وقت ان کے اپنے مالک مکان کے ساتھ تعلقات خراب چل رہے تھے۔ جب مردم شماری کمیٹی نے وہاں کا دورہ کیا، تو مالک مکان نے میرے دادا کا نام رجسٹریشن کے لیے نہیں دیا۔ جس کی وجہ سے میرے دادا 'بے وطن' ہو گئے۔ ہمیں یہ 'بے وطنی' ان سے وراثت میں ملی اور ہم سے یہ مسئلہ ہمارے بچوں تک منتقل ہوا۔"

لورینا نے میری پلیٹ میں مزید دولما ڈالتے ہوئے کہا:

"ہم نے اپنی کہانی بہت سے مختلف لوگوں کو سنائی ہے۔ مختلف محققین ہماری کہانیاں جمع کرنے آتے ہیں اور ہمیں بتاتے ہیں کہ وہ انھیں اپنی تحقیقی کتاب میں لکھیں گے۔ ایک مرتبہ کسی دستاویزی فلم کے لیے ہماری فلم بندی بھی کی گئی تھی، لیکن ہم نے وہ فلم نہیں دیکھی۔ نیہا! اگر تم دوسروں کو ہمارے بارے میں بتاؤ، تو انھیں لازمی بتانا کہ ہمارا پیغام تمام والدین کے لیے ہے۔ میں ماؤں سے کہتی ہوں کہ وہ ذرا تصور کریں کہ یہ کتنا تکلیف دہ احساس ہوتا ہے کہ جس بچے کو انھوں نے جنم دیا ہے، وہ اسے رجسٹرڈ نہیں کر پاتے۔"

میں غم و غصے کی کیفیت میں تھی۔ میرا ذہن اچانک اپنی ماں کی طرف لوٹ گیا۔ مجھے فکر ہوئی کہ شاید وہ مجھے یاد کر رہی ہوں گی۔ میں کافی دیر ہوئے اپنے گھر سے دور ہوں۔۔۔ لیکن مجھے وہ تمام جوابات ضرور تلاش کرنے ہیں، جن کے لیے میں اس سفر پہ نکلی تھی!

سیما کے والد نے اپنی بیوی کا ہاتھ تھاما اور کہا:

"ذرا سوچو کہ آپ اپنے بچوں کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور اتنی جد و جہد کے بعد آپ کو علم ہوتا ہے کہ آپ انھیں وہ سب کچھ نہیں دے پا رہے، جو دوسرے بچوں کے پاس ہے۔ یہ احساس ہی نہایت ہولناک ہے۔"

اس کے بعد انھوں نے مجھے جرمنی میں اپنے گزر بسر کے حوالے سے بتایا۔ وہ یہاں سیما کو اسکول بھیج پائے ہیں، لیکن انھیں اب بھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسی جگہ کی تلاش میں ہیں، جسے وہ 'اپنا گھر' کہہ سکیں!

"ہم یہاں دو سال سے مقیم ہیں اور ہمیں پوری امید ہے کہ ہمیں رہائشی اجازت نامہ مل جائے گا۔"

"ہم جنگ کی وجہ سے پناہ گزین بنے، لیکن ہم بے وطن بھی ہیں۔ اگر ہمیں کبھی شام واپس جانے کا موقع ملا تو کیا وہ ہمیں اپنا شہری تسلیم کریں گے؟ شام نے تو ہمیں پہلے بھی کبھی قبول نہیں کیا۔ ہم نہایت پُرامید ہیں کہ جرمنی ہمیں قبول کرے گا۔"

کُرد، ایک نسلی گروہ ہے۔ دنیا بھر میں کُرد آبادی کا تخمینہ تقریباً ۲۰ سے ۵۴ ملین لگایا جاتا ہے۔ کُرد قوم کو متعدد ممالک میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اس لیے وہ جہاں کہیں بھی آباد ہیں، ایک اقلیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شام کے شمال مشرق اور شمالی علاقوں میں کُرد آباد ہیں۔ شام میں خانہ جنگی سے پہلے بھی کُردوں کے ساتھ بُرا سلوک کیا جاتا رہا ہے۔ انھیں اسکولوں میں کُرد ناموں کے ساتھ بچوں کو رجسٹرڈ کروانے میں دشواریوں کا سامنا تھا اور کُرد زبان میں لکھی گئی کتابیں شائع کرنے پر پابندی عائد کی گئی تھی۔

مردم شماری 'سرکاری سطح پر کیا جانے والا ایک ایسا عمل ہے، جس کے ذریعے کسی بھی ملک میں رہنے والے تمام افراد کے بارے میں اہم معلومات جمع کی جاتی ہیں۔ عموماً ہر دس سال بعد مردم شماری ہوتی ہے، لیکن بہت سے ممالک میں اس عمل میں لمبی تاخیر کی جاتی ہے۔

'دولما' دراصل انگور کے پتوں میں متعدد اجزاء کو لپیٹ کر تیار کیا جانے والا ایک روایتی پکوان ہے۔ اس کے اندر چاول، پودینہ، لیموں، نمک، مرچ، چینی اور مصالحے (اور کبھی کبھار گوشت بھی) بھرے جاتے ہیں۔

***

میں ایک وسیع میدان میں موجود ہوں۔ میرے ارد گرد لوگوں کا جمِ غفیر ہے۔ کوئی گا رہا ہے، تو کوئی ناچ رہا ہے۔ کوئی ڈھول بجا رہا ہے، تو کوئی قہقہے لگا رہا ہے۔ ماحول اور جذبات دونوں گرم ہیں۔ لوگ نہایت پُرجوش نظر آرہے ہیں، گویا ہر طرف خوشی و شادمانی کی لہر دوڑ رہی ہے۔ میں نے اپنی مٹھی کھولی۔۔۔ میری ہتھیلی میں کینیا کا ایک شلنگ کا سکّہ موجود تھا۔ میں ہمیشہ سے کینیا آنے کا خواب دیکھتی تھی۔۔۔ اور اب جب کہ میں یہاں موجود ہوں، مجھے یقین نہیں آرہا کہ میرا خواب تعبیر سے ہمکنار ہو گیا ہے۔

سامنے موجود ایک آدمی نے مجھے دیکھا اور ناچتے جھومتے ہجوم کی طرف آنے کی دعوت دی: ''خوش آمدید، ہماری ننھی دوست! آؤ، ہمارے جشن میں شامل ہو جاؤ!''

''آپ سب کس خوشی کا جشن منا رہے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔ وہ مسکرایا اور بولا:

''آخر کار ہمارے ملک نے ہمیں شہری تسلیم کر لیا ہے۔ ہم 'مکوندے' قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ پہلے ہم بے وطن تھے، ہم کینیا کے صدر سے مل کر اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے کے لیے نیروبی تک پیدل چل کر آئے۔ اب ہم کینیا کے شہری ہیں!''

مجھے خوشگوار حیرت ہوئی اور میرے دل کی گہرائیوں سے خوشی کے مارے ہنسی پھوٹ پڑی۔ ایک امید میرے ذہن میں کوندی:

''یعنی یہ جنگ جیتی بھی جا سکتی ہے!''

میرا کچھ مزید وقت میدان میں ہی گزرا۔ مجھے مکوندے برادری کے لوگوں سے باتیں کرنے کا اور ان کے جشن میں شریک ہونے کا موقع ملا۔ مجھے ان کی باتوں سے علم ہوا کہ ۱۹۳۶ء میں برطانیہ انھیں موزمبیق سے کینیا لائے تھے۔ مگر اتنی نسلیں گزرنے کے باوجود بھی انھیں غیر ملکی سمجھا جاتا رہا۔ کئی بار ان سے رجسٹریشن کے وعدے کیے گئے، مگر وہ کبھی پورے نہ ہوئے۔ انھیں بے شمار مصیبتوں کا سامنا رہا۔

'پناہ گزین' سے مراد ایسا شخص ہوتا ہے، جو اپنے تحفظ کے لیے دوسرے ملک میں ہجرت کرتا ہے۔ پناہ گزین اپنے ہی ملک سے مختلف وجوہات کی بناء پر نکلنے پر مجبور ہوتا ہے یا جبراََ نکالا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر تشدد، خانہ جنگی یا دیگر آفات کی وجہ سے کسی شخص کی جان، مال یا آزادی، اس کے اپنے ملک میں ہی خطرے میں ہو۔

آٹھواں سوال

اگر حکومت آپ کو شہری حقوق دینے سے انکار کر دے یا آپ کی شہریت چھین لے، تو اپنی صورت حال کو بدلنے کے لیے آپ کیا اقدامات اٹھا سکتے ہیں؟

کینیا، براعظم افریقہ کے مشرق میں واقع ایک منفرد ملک ہے۔ آبادی کے لحاظ سے یہ ملک انتہائی متنوع ہے، جہاں مختلف نسلی گروہ آباد ہیں۔ کینیا ماضی میں برطانیہ کے زیرِ قبضہ رہ چکا ہے۔ اس دور میں برطانیہ نے پڑوسی ممالک سے لوگوں کو یہاں لا بسایا تھا۔ ان میں سے بہت سی برادریاں بعد میں بے وطنی کا شکار ہو گئیں۔ نیروبی، کینیا کا دارالحکومت ہے۔

فلیسطِس نامی ایک نرم گفتار خاتون نے مجھے بتایا کہ بچپن میں ایک رات پولیس سے بچنے کے لیے ان کی ماں نے انھیں کاجُو کے درخت میں چھپا دیا تھا۔ دہیلی نامی فٹ بال کے کھلاڑی نے اپنا واقعہ سنایا کہ وہ یورپ میں جا کر کھیلنے کا مفت موقع اس لیے ضائع کر بیٹھا، کیونکہ اس کے پاس شناختی کاغذات نہیں تھے۔

وہاں موجود بزرگوں میں سے ایک تھامس نامی شخص نے کہا:

''ہمیں احساس ہوا کہ ہم اپنی قومی زندگی کے ایک مشکل موڑ پر کھڑے ہیں۔ اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے ہم نے تعلیم یافتہ لوگوں سے رہنمائی مانگی۔''

پیٹر نے اُن کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا:

''سب نے مل کر طے کیا کہ ہم نیروبی تک پیدل چلتے ہوئے وہاں صدر سے ملیں گے۔ ماضی میں ہم تمام قانونی طریقے بارہا آزما چکے تھے۔ لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا۔ ہماری پوری برادری، ساحلی علاقے 'مکونگنی' میں جمع ہوئی اور اجتماعی دعا کی۔ پھر ہم نے اپنا پیدل سفر شروع کیا۔''

مکوندے برادری نے کل ۵۲۶ کلومیٹر کا پیدل سفر طے کیا۔ یہاں تک کہ وہ نیروبی میں صدر کے گھر پہنچے۔ راستے میں انھیں کئی رکاوٹوں اور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ پولیس نے انھیں روکنے کی کوشش کی، مگر وہ نہیں رُکے۔ امینہ نے مجھے اس پیدل مارچ کی ایک تصویر دکھائی۔ میرے دل میں ایک ہوک اٹھی کہ کاش میں بھی اُس وقت اس مارچ کا حصہ بن کر ان لوگوں کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کر پاتی۔

پیٹر نے کہا کہ ''نیروبی پہنچنے پر بھاری اسلحے سے لیس پولیس اہلکاروں نے ہمارا راستہ روک لیا۔ ہم چونکہ متحد تھے، سو ہم نے کوئی خوف نہیں محسوس کیا۔ ہم جانتے تھے کہ اپنے حقوق کی اس جنگ میں ہم نے کوئی غلط طریقہ اختیار نہیں کیا ہے۔''

میں ان بہادر لوگوں کو خراجِ عقیدت پیش کیے بغیر نہ رہ سکی۔ سب سے دلچسپ اور حیرت انگیز بات یہ ہوئی کہ صدر نے ان سے نہ صرف ملاقات کی بلکہ ان سے اس بات کی معافی بھی مانگی کہ انھیں انصاف اور حق دلانے میں اتنی تاخیر ہو گئی تھی۔
اب میرے ارد گرد لوگوں کا ایک چھوٹا سا ہجوم تھا۔ ہر کوئی اپنے جذبات کا اظہار کر رہا تھا۔ **سیلوِیسٹر** نامی بزرگ بولے:
''انھوں نے ہمارے زخم پر مرہم رکھا۔ ہم ان کے مشکور ہیں اور نہایت خوش ہیں کہ اب ہم باقاعدہ کینیا کے شہری ہیں۔''
امینہ کہہ اٹھی: ''اگرچہ میرے پاس کچھ نہیں، لیکن کم از کم اب میرے پاس اپنا شناختی کارڈ تو ہے۔۔۔ اب سانس بھرنے میں آسانی ہے۔۔۔ اب ہم سکون کا سانس بھر سکتے ہیں۔''
بلاشبہ یہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔ جس نے مجھے اپنے حقوق کی لڑائی کے لیے نئی توانائی اور اعتماد سے مالا مال کر دیا۔ شاید پیٹر کے وہ الفاظ میں کبھی نہیں بھول سکوں گی جب انھوں نے کہا کہ ''مجھے میرے حقوق مل گئے ہیں۔۔۔ اور اب یہ فتح مجھے آگے بھی ضرور کامیاب کرے گی!''

***

اس بار آنکھیں کھولنے سے پہلے ہی میں جان گئی کہ میں کہاں ہوں!
سڑکوں سے آتا شور، کاروں کے ہارن بجنے کی آوازیں، دھول میں اٹی فضاء اور میرے سیاہ بالوں پر براہ راست پڑتی چمچماتی دھوپ۔۔۔
یہ سب کچھ میرے لیے بالکل جانا پہچانا تھا۔
میں گھر واپس آ گئی ہوں!

میں ماں سے ملنے، انھیں بھینچ کر جھپی ڈالنے اور جو کچھ میں نے دیکھا، سنا اور سمجھا۔۔۔ وہ سب کچھ انھیں بتانے کے لیے نہایت بے تاب ہوں!

لیکن یہ کیا؟

جب میں نے آنکھیں کھولی تو نظر آیا کہ میں تو اپنے گاؤں میں ہی نہیں ہوں۔ میں دارالحکومت کٹھمنڈو کی ایک عمارت کے باہر کھڑی ہوں۔ یہ دیکھ کر میں نے اندر کی راہ لی۔

''نمستے باہینی!'' ایک لمبے قد کی خوش لباس خاتون نے جھک کر مجھے نمستے کہا اور میں نے بھی ہاتھ جوڑتے ہوئے جھک کر جواب دیا۔ یہ نمستے کرنے کا ہمارا نیپالی انداز ہے۔ سُشما گوتم نے مجھے جلدی سے اندر کمرے میں آنے کا اشارہ کیا۔

استقبالیہ میں پہنچتے ہی ایپرن باندھے ایک پستہ قد خاتون لِیلا نے، جس کی ناک میں ایک بڑی سی لونگ اور دونوں بازوؤں میں چاندی کی چوڑیاں چڑھی تھیں، مجھ سے پوچھا کہ کیا میں 'چِیا' لوں گی؟

میں اتنے لمبے سفر کے بعد اسے پینے کے لیے بے تاب تھی۔ میں نے دنیا بھر کے بہت سے لذیذ مشروبات چکھے ہیں، لیکن مصالحہ اور ملائی دار ذائقے والی چِیا سے جو سُرور ملتا ہے، وہ شاید کسی اور چیز سے نہیں مل سکتا!

سُشما آنٹی مجھے اپنے دفتر میں لے گئیں۔ میں نے ان کی میز پر پڑے پمفلٹ کے ڈھیر پر غور کیا۔ میں اس وقت ایک ایسی تنظیم میں موجود تھی، جو خواتین کے حقوق کے لیے کام کرتی ہے۔ خصوصاً شہریت کے حقوق کے حصول میں لوگوں کی مدد کرتی ہے۔

سُشما آنٹی نے اپنا لیپ ٹاپ کھولا اور مجھے کٹھمنڈو کی سڑکوں پر احتجاج کرتے نوجوان نیپالیوں کی تصاویر دکھائیں:

''نیہا! تمھیں معلوم ہے نا کہ عورت اور مرد، لڑکے اور لڑکیاں برابر ہیں؟''

میں نے زور زور سے اثبات میں اپنا سر ہلایا۔

''دنیا کے زیادہ تر ممالک میں مرد اور عورت کو برابر سمجھا جاتا ہے اور ان کا آئین سب کے برابر حقوق کی ضمانت دیتا ہے۔'' انھوں نے بات جاری رکھی:

''لیکن صد افسوس کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ عورتیں دنیا کی آبادی کا نصف حصہ ہیں، لیکن زیادہ تر ممالک میں سرکاری عہدوں، ٹیکنالوجی اور میڈیا کی ملازمتوں میں ان کی تعداد آدھی بھی نہیں ہے۔''

نیپالی زبان میں 'باہینی' لفظ کے معنی "چھوٹی بہن" کے ہیں۔ یہ مخاطب کرنے کا ایک دوستانہ انداز ہے۔ جسے خواتین، دوسری نوجوان لڑکیوں یا بچوں کو براہِ راست مخاطب کرنے کے لیے استعمال کرتی ہیں۔

'چِیا' چائے کی ایک ایسی قسم ہے، جو جنوبی ایشیا میں بڑے شوق سے پی جاتی ہے۔ اسے چائے کی پتی، دودھ اور شکر کے ساتھ ادرک، دار چینی اور لونگ جیسے مصالحوں کو اکٹھا اُبال کر تیار کیا جاتا ہے۔

'آئین' کسی ملک کے بنیادی قوانین کا وہ مجموعہ ہے، جو عام طور پر تحریری دستاویز کی شکل میں موجود ہوتا ہے۔ یہ قوانین طے کرتے ہیں کہ شہریوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کیسا رویہ رکھنا چاہیے اور ملک کے دیگر اصول و ضوابط کی پابندی کیسے کرنی چاہیے۔

’’عورتیں اکثر مردوں سے کم کمائی کرتی ہیں۔ اگرچہ مرد اور عورت دونوں ایک ہی ملازمت کیوں نہ کر رہے ہوں۔ اس کے علاوہ گھر کے کام کاج اور بچوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داریاں بھی زیادہ تر عورتوں پر ہی عائد ہوتی ہیں۔‘‘

سُشما آنٹی نے اور باتیں بھی بتائیں:

’’دنیا کے پچیس ممالک میں اب بھی اپنے بچوں کو شہریت کے حقوق منتقل کرنے کے حوالے سے عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق حاصل نہیں ہیں۔ بد قسمتی سے نیپال انھی ممالک میں سے ایک ہے۔ نیہا، تمھاری ماں نے تمھاری اور نِکیتا کی تنہا پرورش کی ہے۔ لیکن اس کے باوجود تم دونوں کو نیپالی شہریت تب مل سکے گی، جب وہ یہ ثابت کر سکے کہ تمھارے والد کون ہیں اور یہ بھی کہ وہ لازماً نیپالی ہوں۔ حکومتی اہلکاروں کا رویہ بھی اکثر عورتوں کے ساتھ بہت برا ہوتا ہے۔ وہ عورتوں کی اس طرح عزت و احترام نہیں کرتے، جس طرح مردوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ جب تمھاری ماں، نِکیتا کے کاغذات کی رجسٹریشن کروانے کے لیے ضلعی دفتر گئی تو انھیں بتایا گیا کہ اس کے حصول کے لیے انھیں نِکیتا کے والد کو بھی ساتھ لانا ہوگا، کیونکہ باپ کے ذریعے ہی اولاد کو شہریت منتقل ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے، اور نہ ہی تمھاری ماں کے ساتھ روا رکھا جانے والا ان کا رویہ درست تھا۔‘‘

کیا آپ نے کبھی محسوس کیا ہے کہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا ہے؟ کیا وہ گھریلو کام کاج میں زیادہ مشغول نظر آتی ہیں یا ان سے مختلف قسم کے پیشہ ورانہ ملازمتوں کی توقع کی جاتی ہے؟ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

مجھے محسوس ہوا کہ میں غصے کی شدت سے کانپ رہی ہوں۔ میرے ذہن میں سرکاری دفتر کے اہل کار اور عدالت کے جج کی بد تمیزی اور اسکول کی ٹیچر کے رویوں کی یادیں جیسے دوبارہ تازہ ہو گئی۔ میری آنکھوں کے سامنے اپنی ماں کے ان تمام مصائب کی فلم چلنے لگی، جو انھیں صرف اس لیے جھیلنے پڑے کیونکہ میرے ملک کے نزدیک عورتوں کے ساتھ اس طرز کا برا سلوک قابل قبول تھا۔ پھر میں دنیا بھر کے اپنے ان تمام دوست احباب کے بارے میں سوچنے لگی، جو اسی طرح کے غیر منصفانہ قوانین اور برے رویوں کا شکار ہوئے۔

''کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ میں شہریت حاصل کیے بغیر بڑی ہوں گی؟'' میں نے سُشما آنٹی سے پوچھا۔

''بحیثیت وکیل، ہم تمھارے جیسے کئی لوگوں کی مدد کر چکے ہیں۔ ہم سپریم کورٹ میں تمھاری ماں کا کیس لڑنے میں ان کی مدد کریں گے تاکہ وہ اپنے حقِ شہریت کو استعمال کرکے اپنے نام پر تم لوگوں کو شہریت کے حقوق منتقل کر سکیں، جو تمھارا بنیادی حق ہے!'' انھوں نے سمجھایا۔

میں، جو سُشما آنٹی سے ابھی کچھ دیر پہلے ہی ملی تھی، ان کی تسلی آمیز باتوں سے اطمینان محسوس کر رہی تھی، جس کے لیے میں ان کی بہت شکر گزار ہوں۔ میں نے عزم کیا کہ میں بھی ایک وکیل بنوں گی، تاکہ میں لوگوں کو ان کے شہریت کے حقوق دلوانے کا سلسلہ اسی طرح جاری رکھ سکوں۔

سُشما آنٹی نے مزید بتایا کہ تصویر میں موجود احتجاج کرنے والے لوگ ''ماں کے نام پہ شہریت کا حق'' نامی مہم کا حصہ ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اپنی ماؤں کے واسطے سے شہریت حاصل کرنے کے حق سے محروم رکھا گیا ہے۔ ان میں سے زیادہ تر لوگ ہائی اسکول کے بعد مناسب روزگار حاصل نہیں کر پائے اور جنھیں کہیں ملازمت مل بھی گئی تو وہاں ان کے ساتھ بُرا رویہ رکھا گیا اور انھیں اجرت تک نہیں دی گئی۔ سُشما آنٹی کے مطابق، شناختی کارڈ کے بغیر تو ہم اپنے فون کے لیے ایک سم کارڈ تک نہیں خرید سکتے۔ اس مہم کے ذریعے یہ افراد، شہریت کے قانون میں تبدیلی لانے کے لیے حکومت پر دباؤ ڈالنے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ وہ ہر جمعے کو سرکاری عمارتوں کے باہر احتجاج کرتے ہیں۔

ٹیکسی کے ذریعے گھر روانہ ہوتے ہوئے، میں نے اپنے اس دلچسپ، رنگارنگ، تکان بھری، متاثر کن اور سبق آموز مہم جوئی پر اپنے خیالات کو لکھنا شروع کیا:

میں خود کو نیپالی سمجھتی ہوں۔

میں نیپال میں پیدا ہوئی ہوں اور میں یہاں کی روایات کو اپناتے ہوئے خوشی محسوس کرتی ہوں۔ میں شُستہ انداز میں نیپالی زبان بولتی ہوں۔ لیکن موجودہ قانون اور بعض لوگوں کے رویوں کے سبب، مجھے اور میری بہن نِکیتا کو نیپالی تسلیم نہیں کیا جا رہا۔ حالانکہ کوئی دوسرا ملک ایسا نہیں ہے جو مجھے اپنا شہری تسلیم کرے (اگرچہ میں ان تمام ممالک کی سیر ضرور کرنا چاہوں گی)۔ میں نے کبھی کہیں اور زندگی نہیں گزاری۔ میری ماں نیپالی ہیں اور میرے نانی نانا بھی نیپالی تھے۔ اگر نیپال میرے شناختی حقوق تسلیم نہیں کرتا، تو میں 'بے وطن' بن جاؤں گی! شناختی حقوق یا شہریت ایک پیچیدہ معاملہ ہے، جسے ہر کوئی سمجھ نہیں پاتا۔ زیادہ تر لوگوں کے پاس (کم از کم) ایک شہریت ہوتی ہے، لیکن دوسری جانب کچھ لوگ اس سے بالکل محروم بھی ہیں۔

پہلے میں سمجھتی تھی کہ ہر کسی کے پاس کوئی نہ کوئی شہریت ہوتی ہے۔ جس ملک میں آپ پیدا ہوتے ہیں، آپ کو وہاں کے شناختی حقوق اور شہریت خود بخود حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن مجھے اپنی شہری حیثیت کا درست اندازہ اس وقت ہوا، جب میری ماں کو پتہ چلا کہ نِکیتا اپنے اسکول کے امتحان میں نہیں بیٹھ سکتی۔

مجھے اب علم ہوا ہے کہ کسی ملک کی طرف سے سرکاری طور پر آپ کو شہری کی حیثیت سے تسلیم کیا جانا، اور پیدائشی سرٹیفکیٹ، شناختی کارڈ یا پاسپورٹ جیسے دستاویزات کا ہونا، نجانے کتنے ہی معاملات کے لیے اس قدر اہمیت کے حامل ہیں۔ اس کے بغیر کیذیا اپنے بیمار بچوں کو اسپتال نہیں لے جاسکتی۔ روزا کے بچے اسکول نہیں جاسکتے اور شاید اس وجہ سے انھیں اچھی نوکریوں کے مواقع بھی نہ مل سکیں۔ گریس ملک ملک گھومنے کے اپنے خواب کو شاید کبھی پورا نہ کر سکے۔ سیما اور اس کے والدین ایک ایسے ملک کی تلاش جاری رکھے ہوئے ہوں، جو انھیں قبول کرے۔ اور۔۔۔ مجھے اور میری بہن کو عدالت کے اس فیصلے کا انتظار کرنا ہے کہ کیا ہم اپنی تعلیم آگے جاری رکھ سکتے بھی ہیں یا نہیں!

ہم یہ صورتِ حال بدل سکتے ہیں، اور ہمیں ضرور اسے تبدیل کرنا چاہیے۔ سُشما آنٹی جیسے لوگ ہر روز ہم جیسے لوگوں کو شناخت اور شہریت کے حقوق دلوانے کے لیے سخت محنت کر رہے ہیں۔ اس مشکل راستے میں جہاں کچھ کامیابیاں ہاتھ آئی ہیں، وہیں دوسری جانب، کچھ لوگوں کے لیے اپنے حقِ شہریت کے حصول کا یہ عمل تاخیر کا شکار ہے۔ اس لیے ہم میں سے اور بھی لوگوں کو اس جدوجہد میں شامل ہو کر اپنی آواز ملانے کی ضرورت ہے۔ ہماری پوری کوشش ہونی چاہیے کہ ہر بچے کو شہریت کے حقوق حاصل ہوں!

اب میں اپنے گھر پر ہوں۔ میں اپنی ماں کی آنکھوں میں نظریں جمائے ہوئے ہوں۔ وہ اخروٹی رنگ آنکھیں، جن میں ایسی چمک ہے کہ ان میں مجھے اپنی بہن نظر آرہی ہے۔ ان کی مضبوط بانہیں، ان کی چوڑیاں اور چپٹے ہاتھ، جن کی ہتھیلیاں تھوڑی کھردری سی ہیں اور جو مجھے ہمیشہ زور سے اپنے سینے سے لگا لیتی ہیں۔ یہ وہی ہاتھ ہیں جنھوں نے ہماری پرورش کی۔ وہ ہمارے لیے ہمیشہ مختلف ممالک کے کھانے بناتی ہیں۔ چاہے وہ جاپانی سوشی ہو، ہندوستانی سموسے یا امریکی آلو کا سلاد۔ انھوں نے ہمیں وہ سب کچھ دیا جس کی ہم نے خواہش کی۔ لیکن اب ایک چیز ایسی ہے، جسے وہ چاہ کر بھی ہمیں نہیں دے پا رہی ہیں۔

میں نے انھیں دُنیا بھر کے ان تمام بچوں اور والدین کے بارے میں بتایا، جنھیں ملنے، سننے اور سمجھنے کا مجھے موقع ملا۔ وہ بوجھل آنکھوں کے ساتھ خاموشی سے مجھے سنتی رہیں۔ آخر کار وہ بول اُٹھیں :

''آہ بے وطنی۔۔۔ میرے بچے 'بے وطن' ہیں۔ صرف اس لیے کہ میں نے تم لوگوں کو تمھارے باپ کے سہارے کے بغیر خود پالنے کا فیصلہ کیا۔ صرف اس لیے کہ میں نے تمھیں تعلیم دینے اور تمھیں اچھا انسان بنانے کا فیصلہ کیا۔ میں ایک نیپالی شہری ہوں، لیکن ایک اکیلی ماں بھی ہوں۔ چونکہ میں ایک عورت ہوں، اس لیے میرے پاس یہ حق نہیں ہے کہ میں اپنا نام یا اپنی شہریت اپنے بچوں کو منتقل کر سکوں!''

***

مجھے اپنی مہم جوئی سے واپسی کو کچھ ہفتے گزر چکے ہیں۔ میں اپنی نوٹ بک اور اپنی کھینچی ہوئی تمام تصاویر کو بار بار دیکھتی ہوں۔ میں نے اس سفر میں کتنے ہی قابلِ ذکر دوست بنائے اور میں نے اُن سب کو خطوط بھی لکھے ہیں۔ ہم سب اس پر متفق ہیں کہ یہ بات نہایت عجیب اور مضحکہ خیز ہے کہ آج کی دنیا میں ایسے بچے اور بڑے موجود ہیں، جن کے پاس کوئی شہریت یا شناختی حقوق نہیں ہیں۔ دوسری جانب، یہ صورتِ حال نہایت خوف ناک بھی ہے۔ اگر بڑے محض یہ تسلیم کر لیں کہ کسی کو بھی بے وطن نہیں ہونا چاہیے تو یہ مسئلہ آسانی سے حل ہو سکتا ہے!

دنیا بھر سے میرے دوست اور میں، ہر ایک فرد کی شہریت کے حق کے لیے لڑیں گے۔ ہم آگے بڑھتے ہوئے اس بارے میں مزید سیکھتے رہیں گے کہ کیا کرنے کی ضرورت ہے۔ ہم اپنے اور اپنے خاندانوں کی قومی شناخت، شہریت اور تعصب سے آزاد زندگی گزارنے کے حقوق کے حصول کے لیے یکجا ہو کر لڑیں گے۔ ہم ایک دوسرے کو اور نئے لوگوں کو اپنی کہانیاں سنائیں گے، تاکہ دوسرے لوگ بھی شہریت اور شناختی حقوق کی اہمیت کو سمجھیں اور بے وطنی کے خاتمے کی اس جدوجہد کا حصہ بن سکیں۔

ہمیں بھرپور امید ہے کہ حقوق کی اس جنگ میں آپ ہمارا ساتھ دیں گے!

بے وطنی

Arctic Ocean
بحرِ منجمد شمالی
Asia
ایشیا
Europe
یورپ
Africa
افریقہ
Indian Ocean
بحرِ ہند
Australia
آسٹریلیا
انٹارٹیکا
Antarctica

کی دنیا

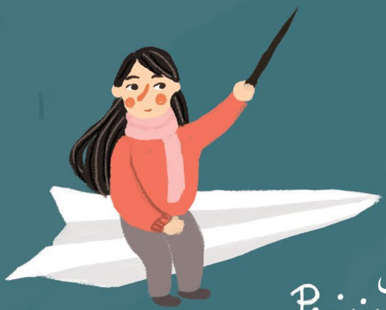

مجھے یقین نہیں آ رہا کہ میں اتنے سارے ملکوں کی سیر کر چکی ہوں۔ میں نے اس نقشہ میں ان تمام ممالک میں سُرخ رنگ بھر کے انھیں نمایاں کر دیا، جہاں مجھے جانے کا موقع ملا۔ ان جادوئی سکّوں نے تو واقعی دنیا بھر کی سیر کروا دی!

اس ناقابلِ فراموش سفر کے دوران، میں نے بے وطنی کے مسئلے کے بارے میں بہت کچھ جانا اور سیکھا ہے۔ میں نے اس نقشے میں کچھ ایسے ممالک میں پیلا رنگ بھرا ہے، جہاں یہ مسئلہ پایا جاتا ہے۔ کیا آپ نقشے پر ان تمام پیلے ممالک کے نام بتا سکتے ہیں؟ کیا آپ اس حوالے سے مزید تحقیق کر کے بتا سکتے ہیں کہ ایسے اور کون سے ممالک ہیں، جہاں کے افراد اسی مسئلے سے دوچار ہیں؟

نیہا کے سوالات

پہلا سوال

شہریت کسے کہتے ہیں؟ کیا آپ جہاں پیدا ہوتے ہیں تو آپ کو خود بخود وہاں کی شہریت حاصل ہوجاتی ہے؟

دوسرا سوال

کوئی شخص جو ایک ایسے ملک میں مقیم ہے، جہاں وہ مقامی ثقافت، رسوم ورواج اور ان کے قوانین پر عمل کرتا ہے، تو کیا اس کی بدولت اسے اس ملک کی شہریت حاصل ہوجاتی ہے؟

تیسرا سوال

کیا صرف پیدائشی سرٹیفکیٹ کی
مدد سے ہمیں کسی ملک کی
شہریت مل جاتی ہے؟

چوتھا سوال

ایسے بچے جو شہری حقوق سے
محروم ہوتے ہیں، وہ کیا چیزیں
نہیں کرپاتے؟

پانچواں سوال

ایسے افراد جن کے پاس شہریت موجود
ہوتی ہے، وہ اس حق سے کیوں اور کیسے
محروم کیے جاتے ہیں؟

چھٹا سوال

دنیا کے ممالک اس بات کو کیوں یقینی
نہیں بناتے کہ ہر بچے کے پاس حقِ
شہریت ہو، اگرچہ انھیں معلوم نہ ہو کہ
وہ کہاں پیدا ہوئے ہیں یا ان کے
والدین کون تھے؟

ساتواں سوال

ان بے وطن افراد کے ساتھ کیا
ہوتا ہے، جن کے ساتھ اپنے
ہی ملک میں اتنا ظالمانہ رویہ روا
رکھا گیا کہ انھیں اپنی جان بچانے
کے لیے کسی دوسرے ملک میں
پناہ لینا پڑی ہو؟

آٹھواں سوال

اگر حکومت آپ کو شہری حقوق
دینے سے انکار کردے یا آپ
کی شہریت چھین لے، تو اپنی
صورتِ حال کو بدلنے کے لیے
آپ کیا اقدامات اٹھا سکتے ہیں؟

اپنے اس طویل سفر اور تحقیق کے دوران، مجھے کچھ ایسے ماہرین سے ملنے کا موقع ملا، جو بے وطنی کے اس عالمی مسئلے پر مضبوط گرفت رکھتے ہیں۔ یہ ماہرین، جو اس موضوع پر پہلے بھی اپنا تحقیقی کام کر چکے ہیں، ان سے میں نے یہ تمام سوالات پوچھے۔ آئیے دیکھتے ہیں، انھوں نے کیا جوابات دیے!

پہلا سوال

شہریت کسے کہتے ہیں؟ کیا آپ جہاں پیدا ہوتے ہیں تو آپ کو خود بخود وہاں کی شہریت حاصل ہو جاتی ہے؟

قومی شناخت یا شہریت کا حامل ہونے سے مراد کسی ملک کا باقاعدہ رکن ہونا ہے۔ یہ حیثیت آپ میں کسی مخصوص جغرافیائی علاقے اور وہاں آباد لوگوں سے تعلق پیدا کرتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ لوگ اولمپکس یا ورلڈ کپ جیسے کھیلوں کے عالمی مقابلوں میں اپنی قومی ٹیم کا ساتھ دیتے ہیں۔کیونکہ وہ سب خود کو اس ملک کا حصہ سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کا ملک اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کرے۔

ہر ملک کے اپنے قواعد و ضوابط ہوتے ہیں کہ کوئی بھی فرد کیسے اس ملک کا باقاعدہ رکن یعنی شہری بن سکتا ہے۔یہ ایسے قوانین ہوتے ہیں جو واضح کرتے ہیں کہ کن افراد کو شہریت دی جائے گی۔ کچھ ممالک ہر اس فرد کو شہریت کا مستحق ٹھہراتے ہیں، جو وہاں پیدا ہوا ہو۔ کچھ ممالک ایسے ہیں، جو محض ان افراد کو شہریت عطا کرتے ہیں، جن کے والدین بھی اسی ملک سے تعلق رکھتے ہوں۔ زیادہ تر ممالک ایسے افراد کو بھی شہریت حاصل کرنے کی اجازت دیتے ہیں، جو طویل

عرصے سے وہاں رہ رہے ہوں یا جنھوں نے اس ملک کے کسی شہری سے شادی کی ہو۔اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک ملک کے ساتھ کسی فرد کی حقیقی زندگی کے تعلقات ہی اس کے شہری بننے کی بنیاد تشکیل دیتے ہیں۔

انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ ایک انتہائی اہم دستاویز ہے، جو دنیا کے ہر فرد کے حقوق کا تعین کرتی ہے۔ اس عالمی اعلامیے میں بیان کیا گیا ہے کہ ''ہر شخص کو شہریت کا حق حاصل ہے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ شہریت کے حصول کے لیے انصاف پر مبنی قواعد و ضوابط بنانے چاہیے اور ہر فرد کو کسی نہ کسی ملک کی شہریت حاصل کرنے کا موقع ملنا چاہیے۔ کوئی بھی فرد بے وطن نہیں ہونا چاہیے۔

تاہم بعض ممالک میں شہریت کے ناقص قوانین موجود ہیں، جیسے کہ عورتوں کو شہریت اپنی اولاد کو منتقل کرنے سے روکنا یا بعض اقلیتوں کو حقِ شہریت سے محروم رکھنا۔ دوسری طرف بعض ممالک میں اچھے قوانین تو موجود ہیں، مگر ان پر صحیح طور سے عمل نہیں ہوتا۔ اِن تمام وجوہات کی بنا پر آج بھی دُنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں، جو حقِ شہریت سے محروم ہیں یعنی وہ 'بے وطن' ہیں۔

دوسرا سوال

کوئی شخص جو ایک ایسے ملک میں مقیم ہے، جہاں وہ مقامی ثقافت، رسوم و رواج اور ان کے قوانین پر عمل کرتا ہے، تو کیا اس کی بدولت اسے اس ملک کی شہریت حاصل ہو جاتی ہے؟

ہر فرد کی کوئی نہ کوئی شہریت (قومی شناخت) ہونی چاہیے۔ اس کا تعلق ہرگز اس بات سے نہیں ہونا چاہیے کہ وہ فرد جس ملک میں رہتا ہے، آیا وہ وہاں کے ثقافتی روایات یا قوانین کی پابندی کرتا ہے یا نہیں۔ تاہم، ہر فرد کے پاس شہری حقوق نہیں ہیں۔ اگرچہ درست اعداد و شمار مشکل ہیں، لیکن ایک اندازے کے مطابق دنیا بھر میں کم از کم ڈیڑھ کروڑ افراد 'بے وطن' ہیں۔

عام طور پر، اگر ایک فرد کے پاس کسی ملک کی شہریت نہیں ہے، تو اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ اس نے کوئی غلط کام کیا ہے۔ نہ ہی یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ اس ملک کی ثقافت، روایات، یا وہاں کے قوانین کی پابندی نہیں کرتا، یا اس ملک سے اس کا کوئی حقیقی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ وجوہات کچھ اور ہوتی ہیں۔ مثلاً اس ملک کے قوانین میں خامیاں ہیں، یا وہاں قوانین صحیح طور سے نافذ نہیں ہیں۔ ایسا ممکن ہے کہ یہ خامیاں غیر ارادی ہوں، لیکن کبھی ایسا جان بوجھ کر بھی کیا جاتا ہے کیونکہ بعض ممالک مخصوص برادریوں/اقلیتوں کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھتے ہیں۔

تیسرا سوال

کیا صرف پیدائشی سرٹیفکیٹ کی مدد سے ہمیں کسی ملک کی شہریت مل جاتی ہے؟

پیدائشی سرٹیفکیٹ 'شہریت' کے مترادف نہیں ہے۔ دنیا بھر میں بہت سے بچے ایسے بھی ہیں جن کی پیدائش رجسٹرڈ نہیں ہوئی لیکن پھر بھی ان کے پاس شہریت ہوتی ہے، کیونکہ ان کا کسی نہ کسی ملک سے تعلق ہوتا ہے۔ تاہم، پیدائشی سرٹیفکیٹ ایک انتہائی اہم دستاویز ہے۔ یہ ثابت کرتی ہے کہ آپ کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی، اور آپ کے والدین کون ہیں۔ عام طور پر یہی وہ معلومات ہیں، جو طے کرتی ہے کہ آپ کے پاس (کس ملک کی) شہریت ہے (یا ہونی چاہیے)۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ جن کے پاس پیدائشی سرٹیفکیٹ نہ ہو، ان کے لیے خود کو کسی ملک کا شہری ثابت کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

زیرِ نظر تصویر پر غور کیجیے:

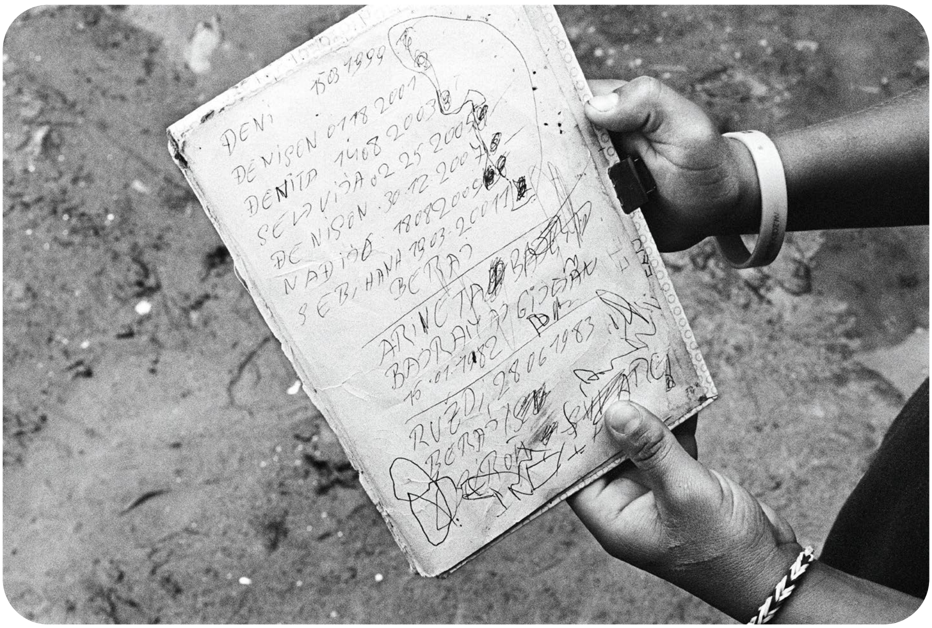

یہ سربیا میں مقیم ایک نوعمر لڑکا ہے۔ وہ ایک ایسے کاغذ کو تھامے ہوئے ہے، جو اس کے لیے دنیا کی سب سے قیمتی دولت ہے۔ اس کے والد نے اپنی وفات سے قبل، یہ کاغذ اس کے حوالے کیا تھا۔ اس کاغذ پر اس لڑکے اور اس کے چھ بہن بھائیوں کے نام اور تاریخِ پیدائش لکھے تھے۔ ان ساتوں بچوں میں سے کسی کی پیدائش بھی رجسٹرڈ نہیں ہوئی تھی۔ چونکہ کسی بھی سرکاری ریکارڈ میں ان کی پیدائش درج نہیں تھی، اس لیے وہ یہ ثابت نہیں کر پا رہے کہ وہ سربیائی شہریت کے مستحق ہیں۔ اگر ان کی پیدائش باقاعدہ رجسٹرڈ ہوتی، تو وہ سربیا سے اپنا تعلق ثابت کر سکتے تھے۔

چوتھا سوال

ایسے بچے جو شہری حقوق سے محروم ہوتے ہیں، وہ کیا چیزیں نہیں کرپاتے؟

جس طرح 'انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ' ہر فرد کے حقِ شہریت کا تحفظ کرتا ہے، اسی طرح یہی اعلامیہ افراد کے دیگر حقوق کی بھی ضمانت دیتا ہے۔ 'بچوں کے حقوق کا کنونشن' ایک اور انتہائی اہم دستاویز ہے، جو یہ واضح کرتی ہے کہ بچوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جائے، ان کا تحفظ کیسے کیا جائے، اور ان کے کیا کیا حقوق ہیں۔ مذکورہ دونوں دستاویزات کے مطابق بچوں کو بھی شہریت کا حق حاصل ہے۔ مزید ایک اور اہم بات یہ ہے کہ ایسے بچے جن کے پاس اگرچہ شناختی دستاویزات/شہریت نہ ہو، اس کے باوجود ان کے حقوق کے تحفظ پر زور دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر، انھیں محفوظ ماحول مہیا کیا جانا چاہیے، ان کے لیے اسکول جانے/تعلیم، بیمار پڑنے پر ڈاکٹر سے علاج معالجے، کھیل و تفریح، اور اپنے خاندان یا سرپرست کے ساتھ رہنے کے مواقع ہونے چاہییں، اور انھیں مزدوری یا پیشہ وارانہ ذمہ داریوں سے محفوظ رکھنا چاہیے۔

لیکن جیسا کہ ہمارا مشاہدہ ہے، شہریت سے محروم بہت سے بچے ان حقوق سے بھی محروم رہتے ہیں۔ یہ سراسر غلط ہے اور ہر بچے کے بنیادی حقوق کے خلاف ہے۔ اس صورتِ حال کو ضرور تبدیل ہونا چاہیے۔

شہریت سے محروم/بے وطن بچوں کے پاس اکثر اسکول جانے کے مواقع نہیں ہوتے۔ یا اگر وہ اسکول جاتے بھی ہیں تو انھیں امتحانات میں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ جب وہ بیمار ہوتے ہیں تو بعض اوقات وہ ڈاکٹر یا اسپتال سے علاج معالجے کی سہولت سے بھی محروم رہ جاتے ہیں۔ بعض حالات میں انھیں محنت مزدوری بھی کرنی پڑتی ہے، جیسا کہ زیرِ نظر تصویر میں نظر آنے والا بچہ جس کام میں مشغول نظر آرہا ہے، وہ نہ صرف مشکل ہے بلکہ اس کے لیے خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔

شہریت سے محروم بچوں کی زندگی عموماً بہت مشکل ہوتی ہے۔ یہ ہرگز ان کا قصور نہیں ہے کہ ان کے پاس باقاعدہ کوئی شہریت/شناختی دستاویز نہیں ہے اور یہ انتہائی افسوس ناک اور غیر منصفانہ بات ہے کہ اس وجہ سے ان سے ناروا سلوک کیا جائے یا انھیں ایسے مشکل حالات سے دوچار کیا جائے۔

پانچواں سوال

ایسے افراد جن کے پاس شہریت موجود ہوتی ہے، وہ اس حق سے کیوں اور کیسے محروم کیے جاتے ہیں؟

جیسا کہ ہم نے پڑھا، جمہوریہ ڈومینکن میں روزا اور اس کا خاندان اپنی شہریت سے اس لیے محروم ہو گئے کیونکہ وہاں ایک نیا مگر بُرا قانون منظور کیا گیا تھا۔ وہ ایک مخصوص نسلی اقلیت سے تعلق رکھتے تھے، اور ان کے ملک نے گویا یہ طے کیا کہ اس اقلیتی گروہ کے ساتھ بُرا سلوک روا رکھا جائے۔

ان جیسے بُرے (اور متعصب) قوانین سے متاثرہ افراد، جیسا کہ زیرِ نظر تصویر میں موجود بچے، نہایت بے بسی کے ساتھ اپنا پورا مستقبل اپنی آنکھوں کے سامنے بدلتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ چونکہ (نئے قانون کے تحت) اب انھیں ان کے اپنے ہی ملک کا رُکن تسلیم کرنے سے انکار کیا جا رہا ہے تو چند دوسرے ملکوں نے بھی اپنے یہاں آباد مختلف گروہوں کو جبراً شناختی حقوق/شہریت سے محروم کر دیا۔ جیسا کہ میانمار نے 'روہنگیا' برادری کو شہری تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، تو دوسری طرف ملکِ شام نے یہی سلوک اپنے یہاں آباد 'کُرد' برادری کے ساتھ کیا۔

شہریت سے محروم ہونے کی ایک اور وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ جس ملک میں رہتے ہیں، وہ دو یا زیادہ ممالک میں تقسیم ہو جائے۔ مثال کے طور پر، سوویت یونین ماضی میں دنیا کا سب سے بڑا ملک ہوا کرتا تھا۔ تاہم، ۱۹۹۰ء کی دہائی کے آغاز میں، سوویت یونین ۱۵ نئے ممالک میں تقسیم ہو گیا۔ چناں چہ جو لوگ پہلے محض سوویت یونین کے شہری تھے، ان کے لیے اس نئے آزاد ملک کی شہریت حاصل کرنا بھی ضروری ہو گیا، جس میں وہ اب رہ رہے تھے۔ اگرچہ ان لوگوں کی اکثریت نے نئی شہریت حاصل کر لی، لیکن کچھ افراد پھر بھی 'بے وطن' ہو گئے۔ کیونکہ ہر نئے ملک نے اپنی شہریت کے لیے جو قواعد وضوابط طے کیے، اس کے تحت کچھ افراد، ان لوگوں میں شامل نہیں ہو سکے جنھیں شہریت عطا کی گئی ہو۔

کچھ ممالک نے یہ طے کیا کہ وہ ایسے لوگوں کی شہریت منسوخ کر سکتے ہیں، جو بُرے کاموں میں ملوث رہے ہوں۔ مثلاً ایسے لوگ جو اپنے ہی ملک کے خلاف جنگ میں شامل ہوتے ہیں یا دہشت گرد بن جاتے ہیں، وہ اپنی شہریت سے محروم ہو سکتے ہیں۔ یقیناً، یہ ایسے مشکل مسائل ہیں جن سے نمٹنے کے لیے کسی ملک کو بہر حال اہم اقدامات اٹھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کسی نے بُرے کام کیے ہوں تو انھیں قانون کے تحت سزا ملنی چاہیے، جس طرح قتل جیسے سنگین جرم کے مرتکب افراد کو سزا ملتی ہے۔ تاہم اس کے لیے ان کی شہریت منسوخ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ 'شہریت منسوخ کرنے' جیسے اقدامات سے یہ ممالک محفوظ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ان اقدامات سے پھر دوسرے مسائل جنم لیتے ہیں۔ بعض اوقات ان قوانین کا غلط استعمال بھی کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی حکومت ان قوانین کی مدد سے اپنے ملک میں موجود ایسے متحرک کارکنان (جو مختلف سماجی و سیاسی مسائل پر آواز اٹھاتے ہوں) کی شہریت منسوخ کر سکتی ہے، جنھوں نے کوئی جرم ہی نہیں کیا ہو۔ اسی طرح، ان قوانین کی بدولت شہریت سے محروم ہونے والے افراد کی اولاد بھی ان حقوق سے محروم ہو سکتی ہے۔

چھٹا سوال

دنیا کے ممالک اس بات کو کیوں یقینی نہیں بناتے کہ ہر بچے کے پاس حقِ شہریت ہو، اگرچہ انھیں معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں پیدا ہوئے ہیں یا ان کے والدین کون تھے؟

تمام ممالک کو چاہیے، بلکہ وہ یہ بات یقینی بنا سکتے ہیں کہ ایسے بچوں کو شہریت ملے، جن کے مقامِ پیدائش یا والدین کا علم نہ ہو۔ وہ اپنے ملک کے قانونِ شہریت میں ایک انتہائی سادہ سی تبدیلی کر کے یہ ممکن بنا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک قانون یہ ہو سکتا ہے کہ ''سویڈن میں پایا جانے والا ہر لاوارث بچہ سویڈش شہری تصور ہو گا۔'' ایسے اقدامات 'بچپن میں بے وطنی سے تحفظ' (Safegaurd against Childhood Statelessness) کہلاتے ہیں۔ یہ ایک خاص قاعدہ ہے جو صرف اُن حالات میں لاگو ہوتا ہے، جب کوئی بچہ موجودہ قوانین کے تحت حقِ شہریت حاصل نہیں کر پاتا۔ بد قسمتی سے ایسے باقاعدہ قانون رکھنے والے ممالک کی تعداد ناکافی ہے۔ یہاں تک کہ ایسے ممالک جہاں تحریری صورت میں ایسے قواعد و قوانین موجود ہیں، وہ بھی ان حفاظتی اقدامات پر ہمیشہ عمل در آمد نہیں کرتے۔

زیرِ نظر تصویر میں موجود بچہ ملائیشیا میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے والدین بے وطن 'روہنگیا' ہیں۔ اگر ملائیشیا اپنے قانون میں موجود ایک حفاظتی قاعدہ، ''ملک میں پیدا ہونے والا ہر ایسا بچہ جس کے پاس شہریت کا کوئی اور ذریعہ نہ ہو، اسے ملائشیائی شہریت دی جائے گی''، پر عمل کرتا، تو اس بچے کو وہاں کی شہریت مل سکتی تھی۔ لیکن کیونکہ ملائیشیا عملی طور پر ایسا نہیں کرتا، لہٰذا یہ بچہ بھی 'بے وطن' ہو گا۔

ساتواں سوال

ان بے وطن افراد کے ساتھ کیا ہوتا ہے، جن کے ساتھ اپنے ہی ملک میں اتنا ظالمانہ رویہ روا رکھا گیا کہ انھیں اپنی جان بچانے کے لیے کسی دوسرے ملک میں پناہ لینا پڑی ہو؟

جب لوگوں کے ساتھ ان کی ظاہری شکل وصورت (رنگ ونسل)، مذہب یا عقیدے کی بنیاد پر اس قدر بُرا سلوک کیا جائے کہ ان کی جان کو خطرہ لاحق ہو، تو یہ عمل 'ایذارسانی' کہلاتا ہے، سادہ الفاظ میں ظلم وستم۔ انھی وجوہات کے تحت لوگوں پر ظلم ڈھاتے ہوئے انھیں حقِ شہریت سے محروم رکھا جاتا ہے۔ بہت سے افراد جو ایسے ظلم وجبر کا شکار ہوتے ہیں، انھیں مجبوراً اپنا گھر بار چھوڑ کر (بعض اوقات ملک چھوڑ کر) دوسری جگہ پناہ لینی پڑتی ہے۔ اس طرح اُن کے لیے اپنی عزیز چیزوں کو پیچھے چھوڑ کر دوسری جگہ منتقل ہونا، ایک انتہائی مشکل اور تکلیف دہ عمل ہے۔

جب لوگ اپنے تحفظ کی خاطر کسی نئے ملک میں جا کر پناہ لیتے ہیں تو وہ 'پناہ گزین' بن جاتے ہیں۔ جیسا کہ زیرِ نظر تصویر میں موجود ایک معصوم بچی نظر آرہی ہے، جو میانمار کی سرحد پار کرکے بنگلہ دیش جانے کی کوشش کررہی ہے۔

اس کے لیے بہت ہمت اور بہادری درکار ہوتی ہے کہ آپ اپنے جانے پہچانے ماحول اور چیزوں کو پیچھے چھوڑ کر ایک ایسی جگہ جا بسیں، جہاں کے لوگوں کو آپ نہیں جانتے اور بعض اوقات وہاں کی زبان بھی سمجھ نہیں سکتے۔ 'پناہ گزین' کی اصطلاح دراصل لفظ 'پناہ گاہ' سے ماخوذ ہے، جس کا مطلب ہے ''محفوظ جگہ''۔ سو ہم کہہ سکتے ہیں کہ پناہ گزین سے مراد ایک ایسا شخص ہے، جو ظلم وجبر سے تحفظ کے لیے ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ جا بستا ہے۔'

دنیا کے ممالک اس بات پر متفق ہیں کہ لوگوں پر ظلم کرنا غلط ہے، اور یہ کہ پناہ گزینوں کو تحفظ فراہم کرنا ضروری ہے۔ اسی لیے یہ ضروری ہے کہ لوگوں کو ایک دوسرے کا احترام کرنے، آپس میں بات چیت کرنے اور ایک دوسرے کو نقصان نہ پہنچانے پر آمادہ کرنے کے لیے مسلسل کوشش کی جائے۔ اسی طرح، ہمیں یہ بھی یقینی بنانا ہوگا کہ ایسے لوگ جو ایذا رسانی کا شکار ہوئے، انھیں تحفظ مل سکے۔ ہم سب ان 'پناہ گزینوں' کا خیر مقدم کر کے انھیں محفوظ ہونے کا احساس دلا سکتے ہیں۔

آٹھواں سوال

اگر حکومت آپ کو شہری حقوق دینے سے انکار کر دے یا آپ کی شہریت چھین لے، تو اپنی صورتِ حال کو بدلنے کے لیے آپ کیا اقدامات اٹھا سکتے ہیں؟

اگر آپ کا ملک آپ کے شہری حقوق تسلیم نہیں کرتا، یا آپ کی شہریت منسوخ کر دیتا ہے، تو کچھ ایسے عملی اقدامات ہیں جنھیں اختیار کر کے آپ اپنی صورتِ حال کو بدل سکتے ہیں۔ زیادہ تر ممالک میں، ایک وکیل کی مدد سے آپ عدالت میں درخواست جمع کروا سکتے ہیں کہ وہ فیصلہ کرے کہ آیا آپ کے ساتھ منصفانہ سلوک ہوا ہے یا نہیں۔ اس طرح آپ کو اپنے مسئلے کا حل تلاش کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔

لیکن اگر رائج قانون ہی ناقص ہو، تو شاید عدالتیں بھی مدد نہ کر سکیں۔ پھر صورتِ حال قدرے مشکل ہو سکتی ہے۔ تاہم دنیا بھر میں بہت سے لوگ اور تنظیمیں ہر فرد کے حقِ شہریت کے لیے مسلسل جد وجہد کر رہے ہیں۔ وہ متعدد تحریک اور مہم چلا رہے ہیں، جہاں وہ مختلف رہنماؤں سے بات کرتے ہیں، مختلف مواقع پر پُرامن احتجاج کا انعقاد کرتے ہیں اور موجودہ صورتِ حال بدلنے کے لیے ہر قسم کی کوششیں کر رہے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے مکوندے برادری کے معاملے میں دیکھا کہ ایسی تحریک اور مہم کامیاب بھی ہوتی ہیں۔ البتہ اس طرز سے تبدیلیاں لانے میں بہت وقت اور اَن تھک جد وجہد درکار ہوتی ہے۔

اگلے صفحے پر موجود تصویر میں کویت میں ہونے والے ایک احتجاج کا منظر ملاحظہ کیجیے:

یہ گروہ 'بِدون' کہلاتا ہے، جو کویتی شہریت کے دعویٰ دار ہیں اور ایک طویل مدت سے اپنے حقِ شہریت کے لیے جد وجہد کر رہے ہیں۔

Citizen ship
only...

بے وطن بچوں

میں نے جب سے دنیا بھر میں بے وطنی کے مسئلے کے بارے میں مزید جاننے کا ارادہ کیا، تو اس سلسلے میں میرے متعدد نوعمر لوگوں سے دوستانہ تعلقات بنے جو خود بے وطن ہیں۔ مجھے ان کی جانب سے بہت سارے سوالات بھی موصول ہونا شروع ہوئے، جن میں سے بہت سو کے جواب دینا میرے لیے کافی مشکل تھا۔ اُن کے کچھ سوالوں نے مجھے واقعی سوچنے پر مجبور کر دیا، جب کہ کچھ سوالوں نے مجھے غم و غصہ میں مبتلا کر دیا۔ وہ اس لیے کہ آج بھی ہم بچوں کو اپنے حال و مستقبل کے بارے میں ایسے سوال پوچھنے پڑتے ہیں۔ اگر یہ سوالات آپ سے پوچھے جائیں تو آپ کیا جواب دیں گے ؟

"جب میں اس ملک میں پیدا ہوا ہوں، تو میرے پاس یہاں کی شہریت کیوں نہیں ہے ؟"

۱۴ سالہ بخروم (کرغیزستان)

"میں مڈغاسکر میں پیدا ہونے والی دوسری پشت ہوں، جس کا کسی اور ملک سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے باوجود مجھے ملاگاسی شہریت کیوں نہیں مل سکتی ؟"

۱۴ سالہ محمد (مڈغاسکر)

"کیا میں یہاں آباد لوگوں سے الگ دِکھتی ہوں ؟ میں کیا کروں جب مستقبل کے بارے میں سوچتے ہوئے میرے ذہن میں سوالات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے !"

۱۲ سالہ سبھاشنی (ملائیشیا)

کے سوالات

"ایسا کیوں ہے کہ میرے بھائیوں کے پاس تو شناختی دستاویزات موجود ہیں، لیکن بہت سی دوسری لڑکیوں کی طرح میرے پاس ایسے کاغذات نہیں ہیں!"
۱۹ سالہ ژلینا (تاجکستان)

"مجھے دوسرے لوگوں کے برابر حقوق ملنے کے لیے اور کتنا انتظار کرنا پڑے گا؟ میں ساری زندگی اسی مقصد کے لیے لڑ رہی ہوں۔"
پھرا (تھائی لینڈ)

"اگر میں اس سال کے بعد اپنی تعلیم کبھی بھی جاری نہ رکھ سکی تو میرا کیا ہوگا؟"
۱۵ سالہ شیلن (ملائیشیا)

"کیا دنیا کو ہماری پرواہ ہے؟ مجھے مزید کتنا انتظار کرنا پڑے گا؟"
اینڈریو (جنوبی افریقہ)

اپنے حقوق جانیے!

ہر شخص کے انسانی حقوق ہیں۔ ہمیں یہ حقوق اس لیے حاصل ہیں کیونکہ ہم سب انسان ہیں اور ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ہر انسان قابلِ احترام، برابر اور آزاد ہونا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی ہمارے حقوق ہم سے چھین نہیں سکتا۔ ہر فرد کے لیے ہمارے حقوق کا احترام کرنا اتنا ہی ضروری ہے، جس طرح ہمارے لیے دوسروں کے حقوق کا احترام کرنا ہے

ایک اہم بات جو میں نے اب اپنے پلو سے باندھ لی ہے، وہ یہ ہے کہ دُنیا کے ہر انسان کے حقوق ہیں۔ ایک نوزائیدہ بچے سے لے کر ایک عمر رسیدہ پَر دادی یا پَر نانی تلک!

دوسری جنگِ عظیم کے بعد دُنیا بھر کے ممالک نے اکٹھے ہو کر اقوام متحدہ جیسے عالمی ادارے کی بنیاد رکھی۔ اس ادارے کے قیام کے بعد سے ہی اس بات کو یقینی بنانے کی مسلسل کوشش کی جاتی رہی ہے کہ ہم امن کے ساتھ ایک باوقار زندگی گزار سکیں اور ہم میں سے کوئی بھی دوبارہ جنگ کی تباہی کا سامنا نہ کرے۔ ۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء کو اقوام متحدہ نے اتفاقِ رائے سے ایک انتہائی اہم دستاویز کو منظور کیا، جو انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ کہلاتا ہے۔ اس بات کی تفریق کیے بغیر کہ کوئی کیا ہے یا کہاں رہتا ہے، یہ دستاویز ان حقوق کی وضاحت کرتی ہے جو تمام افراد کو حاصل ہیں۔ اُس وقت سے لے کر اب تک انسانی حقوق کا تحفظ اور اس کے فروغ کے لیے دیگر معاہدے بھی کیے گئے ہیں۔ آج بھی، اس عالمی اعلامیے کو انسانی حقوق کی جدوجہد میں ایک اہم سنگِ میل تصور کیا جاتا ہے اور ہر سال ۱۰ دسمبر کو پوری دُنیا میں انسانی حقوق کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔

مجھے پورا یقین ہے کہ آپ میری اس بات سے متفق ہوں گے کہ بچے دُنیا میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ انھیں اضافی تحفظ اور دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لیے ۱۹۸۹ء میں بچوں کے حقوق کا کنونشن منظور کیا گیا۔ یہ کنونشن تسلیم کرتا ہے کہ ”ہر بچہ آزاد اور برابر پیدا ہوتا ہے۔“

اسی طرح یہ ان تمام خصوصی حقوق کی وضاحت کرتا ہے، جو ہر بچے کو حاصل ہیں۔ دُنیا کے تقریباً تمام ممالک نے، سوائے ایک ملک کے، اس دستاویز پر دستخط کیے ہیں۔ وہ سب ضمانت دیتے ہیں کہ وہ اس کنونشن میں درج حقوق کا تحفظ کریں گے۔

آیئے، ہم جانیں گے کہ ایک بچے کی حیثیت سے وہ کون سے حقوق ہیں جو آپ اور ہر بچے کو حاصل ہیں:

تمام بچے برابر ہیں اور انھیں یہ تمام حقوق حاصل ہیں۔ آپ کے ساتھ آپ کی شکل و صورت، آپ کے عقائد، آپ کے رہنے کی جگہ، آپ کی بولی جانے والی زبان، آپ کے امیر یا غریب ہونے، آپ کے معذور ہونے یا نہ ہونے، آپ کے لڑکا یا لڑکی ہونے، یا آپ کے والدین یا سرپرست کی وجہ سے آپ سے بُرا یا ناانصافی پر مبنی سلوک نہیں ہونا چاہیے۔

آپ کو اپنی شناخت کا حق حاصل ہے۔ آپ اپنا نام اور قومیت، اور اپنے والدین اور خاندان کے بارے میں جاننے کا حق بھی رکھتے ہیں۔ کسی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ آپ سے یہ حق چھین سکے۔ کسی بھی بچے کو 'بے وطن' نہیں ہونا چاہیے۔

آپ کو بولنے اور اپنی رائے کا اظہار کرنے کا حق حاصل
ہے۔ جب بچے بولتے ہیں، تو بڑوں اور دوسرے بچوں
کو ان کی بات غور سے سننی چاہیے۔

آپ کو چیزوں کو جاننے،
سمجھنے اور ان سے سیکھنے
کا حق حاصل ہے۔

آپ کو محفوظ رہنے اور
کسی بھی تکلیف سے
بچائے جانے کا حق
حاصل ہے۔

آپ کو کھانے
کے لیے
خوراک، پہننے
کے لیے
کپڑے، اور
رہنے کے
لیے ایک
محفوظ جگہ مہیا
کیے جانے کا
حق حاصل
ہے۔

آپ کو پڑھنے اور
سیکھنے کے لیے
اسکول جانے کا حق
حاصل ہے۔

آپ کو کھیل و تفریح اور آرام
کرنے کا حق حاصل ہے۔

آپ کو ایسے کسی کام میں مشغول نہیں کرنا
چاہیے، جو آپ کے لیے نقصان دہ یا خطرناک
ہو، آپ کی صحت کے لیے بُرا ہو یا جس کی
وجہ سے آپ کی پڑھائی میں حرج آئے۔

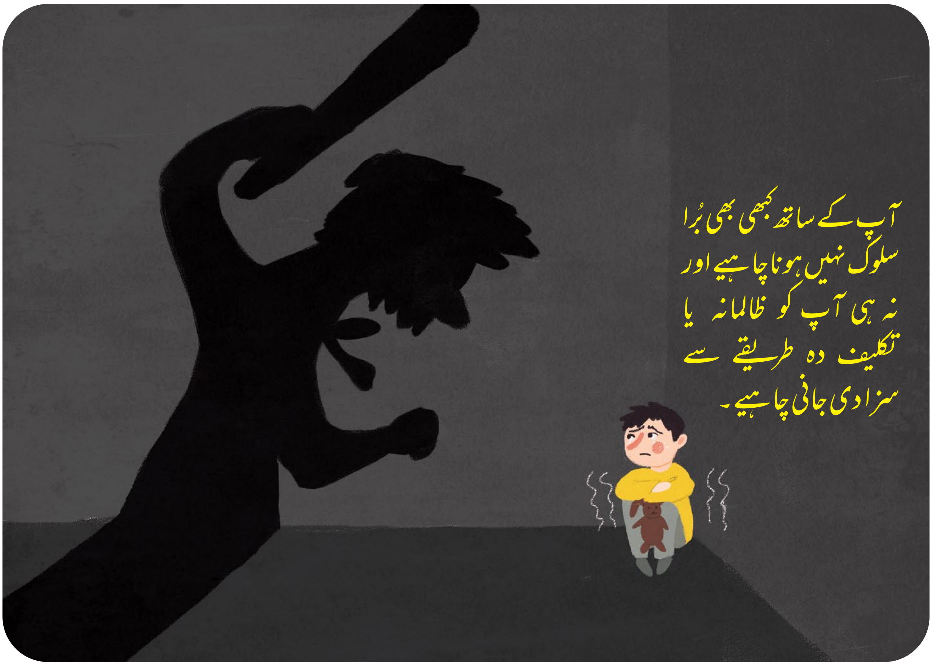
آپ کے ساتھ کبھی بھی بُرا
سلوک نہیں ہونا چاہیے اور
نہ ہی آپ کو ظالمانہ یا
تکلیف دہ طریقے سے
سزا دی جانی چاہیے۔

میری مدد کریں!
اگر آپ کسی بھی وجہ سے 'پناہ گزین' بن
جائیں، تو آپ کو خصوصی تحفظ کا حق حاصل ہے۔

اب ہم یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ گئے ہیں کہ 'حقِ شہریت' بچوں کے بنیادی حقوق میں سے ایک ہے۔ جن بچوں کے پاس شہریت نہیں ہوتی تو انھیں اپنے دیگر حقوق کے حصول میں دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح انھیں پہلے 'حقِ شہریت' سے اور پھر دیگر حقوق سے بھی محروم رکھ کر (بغیر کسی جرم کے) دوہری سزا دی جاتی ہے۔

اگر حالات ایسے ہوں جہاں آپ کے حقوق کا احترام نہ کیا جا رہا ہو، تو اپنے لیے آواز اٹھانے کے لیے آپ کچھ طریقے اختیار کر سکتے ہیں۔ آپ اپنے مسئلے کے بارے میں اپنے قریبی لوگوں سے بات کر سکتے ہیں، جیسے آپ کے والدین، اساتذہ یا دوست۔ اگر مسئلہ بہت سنگین ہو تو آپ ان کے ذریعے انسانی حقوق کی تنظیم یا کسی وکیل سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

انسانی حقوق کی بہت سی تنظیمیں بچوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے بھی کام کرتی ہیں۔ وہ بچوں کی براہِ راست مدد کرتی ہیں، ان کے مسائل کے بارے میں آگہی فراہم کرتی ہیں، اس حوالے سے مختلف مہم اور تحریکیں چلاتی ہیں، اور ان رائج طریقوں، فیصلوں اور قوانین کو تبدیل کرنے کی کوشش کرتی ہیں، جو غلط ہیں۔

آپ اپنے مسئلے کے حل کے لیے عدالت میں بھی شکایت درج کروا سکتے ہیں، تا کہ جج آپ کے ساتھ درست رویہ رکھنے کا حکم جاری کرے۔

اقوام متحدہ کے ماہرین کی ایک خصوصی کمیٹی 'بچوں کے حقوق کی کمیٹی' بھی ہے۔ یہ کمیٹی اس پر نظر رکھتی ہے کہ بچوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے دنیا بھر کے ممالک کیا کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ کمیٹی ان حکومتوں سے مسلسل رابطے میں رہتے ہوئے گفت و شنید کرتی ہے کہ بچوں کی بہتری کے لیے کیا کیا اقدامات اٹھائے جا سکتے ہیں۔ اگر صورتِ حال بہت خراب ہو، تو یہ کمیٹی بچوں کی شکایات بھی سنتی ہے تا کہ کوئی جامع حل پیش کر سکے۔ کوئی بھی فرد، خاص طور پر ایسے بچے جو محسوس کرتے ہیں کہ ان کا ملک اپنے بچوں کے ساتھ برا سلوک کر رہا ہے، وہ براہِ راست اس کمیٹی سے بات کر سکتے ہیں اور انھیں اپنے خیالات سے آگاہ کر سکتے ہیں۔

اگر ہمیں اپنے حقوق کا علم ہو، تو ہم ایک دوسرے کے حقوق کا تحفظ بہتر انداز میں کر سکتے ہیں!

نیہا کے تجربات

اپنی اس مہم جوئی کے دوران جو کچھ میں نے پڑھا اور جن ماہرین سے مجھے گفتگو کرنے کا موقع ملا، ان سب کے ذریعے میں نے 'بے وطنی' کے بارے میں بہت کچھ جاننا اور سیکھنا شروع کیا ہے۔ چونکہ یہ موضوع بہت وسیع اور پیچیدہ ہے، اس لیے میں نے طے کیا کہ میں ان باتوں کو اس طرح ترتیب دوں، جو بعد میں مجھے بھی سمجھ آئے۔ میں امید کرتی ہوں کہ یہ باتیں آپ کو بھی سمجھ آئیں گی!

ہر فرد کو شہریت کا حق حاصل ہے۔ اس سے بالکل فرق نہیں پڑتا کہ آپ کیا ہیں!

لیکن ممالک ایسے قواعد وضوابط طے کر سکتے ہیں کہ لوگوں کو شہریت کیسے ملے گی۔ یہ قواعد عموماً اس بات پر مبنی ہوتے ہیں کہ کسی فرد کا ایک ملک سے کس قدر گہرا تعلق ہے، جیسے۔۔۔

- وہ وہاں پیدا ہوئے
- ان کے والدین اس ملک کے شہری ہیں
- وہ وہاں رہتے اور کام کرتے ہیں
- ان کی شادی وہاں کے کسی شہری سے ہوئی ہے یا انھیں کسی شہری نے (بچپن میں) گود لیا تھا

لیکن کچھ ممالک میں بُرے قوانین بھی رائج ہیں، یا وہ اپنے اچھے قوانین کو درست طریقے سے نافذ نہیں کر پاتے، جس کے نتیجے میں۔۔۔

- جن افراد کو شہریت ملنی چاہیے تھی، انھیں یہ حقوق فراہم کرنے سے انکار کیا جاتا ہے
- بہت سے لوگ شہری حقوق کے مستحق ہوتے ہیں، لیکن اِس کے باوجود ان کے ثبوت تسلیم نہیں کیے جاتے
- بہت سے لوگ شہریت ہونے کے باوجود اسے کھو بیٹھتے ہیں یا انھیں اس سے محروم کر دیا جاتا ہیں

حقِ شہریت

روزا اور اس کے بچوں کے پاس۔۔۔ تھی:

رِیکی اور آصف کے پاس۔۔۔ نہیں ہے:

گریس اور مالک کے پاس۔۔۔ نہیں ہے:

روہنگیا برادری کے اس لڑکے کے پاس۔۔۔ نہیں تھی:

نکِیتا اور میرے پاس۔۔۔ نہیں ہے:

کیذیا کو۔۔۔ حاصل ہو سکتی تھی:

سیما اور اس کے خاندان کے پاس۔۔۔ نہیں ہے:

روما برادری کو۔۔۔ حاصل نہیں ہے:

کیونکہ برطانیہ نے انھیں زبردستی کینیا میں لا کر آباد کیا تھا، جنھیں بعد میں کینیا کی حکومت نے قبول نہیں کیا۔

کیونکہ اس کے دادا مردم شماری کے وقت اپنا خاندان رجسٹرڈ کروانے سے قاصر رہے۔

کیونکہ ہمارے ملک کا قانون اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہمیں اپنی ماں کی جانب سے شناختی حقوق مل سکے۔

مگر پیدائشی سرٹیفکیٹ نہ ہونے کی وجہ سے وہ ان کی شہریت ثابت کرنے سے قاصر ہے۔

کیونکہ اس کے ملک نے ان کی برادری کے شہری حقوق رد کر کے انھیں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

کیونکہ ان کے پاس ایسے کوئی کاغذات/ثبوت موجود نہیں ہیں، جن کی مدد سے ان کے والدین کے بارے میں معلوم ہو سکے۔

کیونکہ وہ جس ملک میں آباد ہیں، وہاں انھیں غیر ملکی تصور کیا جاتا ہے۔

مگر (نئے قانون کے تحت) ان کی شہریت منسوخ کر دی گئی۔

ایسے افراد جن کے پاس کوئی شہریت نہیں ہوتی، وہ 'بے وطن' کہلاتے ہیں۔ اگرچہ تمام افراد کے انسانی حقوق ہوتے ہیں مگر مختلف ممالک میں ان کے حقِ شہریت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا جاتا ہے۔ جن افراد کے پاس شہریت موجود نہ ہو، ان کے دوسرے حقوق بھی ضبط نہیں ہونے چاہیے۔

لیکن بہت سے ممالک شہریت سے محروم 'بے وطن' افراد کے ساتھ بُرا رویہ رکھتے ہیں۔ وہ ان کے ساتھ امتیازی سلوک کرتے ہیں اور ان کے حقوق تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ:

- روزا کے بچے اسکول نہیں جاسکتے۔
- کیذیا کے بچے اسپتال نہیں جاسکتے۔
- رِیکی اور آصف کو بڑوں کی طرح محنت مزدوری کرنی پڑ رہی ہے۔
- آصف کے والد کو جیل میں قید کر دیا گیا اور شاید کسی دوسرے ملک بے دخل بھی کر دیا گیا ہو۔
- دھیلی بیرونِ ملک فٹ بال ٹورنامنٹ کھیلنے نہیں جاسکا۔
- روہنگیا برادری کو ظلم و جبر کا نشانہ بنایا گیا۔

اسی لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم:

- ہر فرد کے حقِ شہریت کے حصول کے لیے بھرپور آواز اٹھائیں
- ہر بے وطن فرد کے بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کو یقینی بنائیں

کچھ چیزیں جو ہم کر سکتے ہیں:

- اس بات کو یقینی بنانا کہ ہر بچہ پیدائشی سرٹیفکیٹ حاصل کرے
- اس بات کو یقینی بنانے کی کوشش کرنا کہ ہر ملک بے وطنی کے متاثرین کے لیے حفاظتی اقدامات اٹھائے
- ایسے قوانین کے خلاف بھرپور آواز اٹھانا، جو مختلف طبقات جیسے نسلی اقلیتوں، خواتین اور معذور افراد کے خلاف امتیازی سلوک کو فروغ دیتے ہوں
- کسی بھی ملک کے ایسے اقدامات کے خلاف احتجاج کرنا، جن کی مدد سے کسی فرد یا گروہ کو حقِ شہریت سے محروم کیا جا رہا ہو
- تمام پناہ گزینوں کا خیر مقدم کرنا اور ان کے تحفظ کو یقینی بنانے کی کوشش کرنا

ہم آپ کو سمجھتے ہیں!

گریگ کانسٹنٹائن ایک مشہور فوٹو گرافر ہیں، جنھوں نے دنیا بھر کے سینکڑوں بے وطن بچوں سے بالمشافہ ملاقاتیں کی اور ان کے پاس ان کی یادگار تصاویر محفوظ ہیں۔ 'بے وطنی' کے مسئلے پر کام کرتے ہوئے، خوش قسمتی سے مجھے انھیں جاننے اور ان سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔ حالیہ دنوں میں انھوں نے مجھ سے اپنی کچھ ذاتی یادداشتوں کا تبادلہ کیا، جس نے مجھے اپنے دوستوں گریس اور مالک کے بارے میں سوچنے پر مجبور کیا۔ ان کے خیالات نے مجھے اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے مزید تحریک دی۔

گریگ کی یادداشت آپ بھی ملاحظہ کیجیے:

مجھے آئیوری کوسٹ کا وہ سفر آج بھی یاد ہے۔ یہ ۲۰۱۰ء کا آغاز تھا۔ میں اس منفرد ملک کے تقریباً ہر کونے میں گیا، جہاں میری ملاقات ان 'بے وطن' لوگوں سے ہوئی، جن کا ہر دن جہد و جہد سے پُر ہوتا۔۔۔ان میں زیادہ تر آئیوری کوسٹ میں ہی پیدا ہوئے، لیکن انھیں شہری تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔ اس کے سبب انھیں ان تمام شناختی دستاویزات سے بھی محروم رکھا گیا تھا۔ جس نے انھیں اپنی زندگیوں میں آگے بڑھنے، تعلیم حاصل کرنے، مناسب نوکریاں کرنے اور اس ملک سے وابستگی قائم رکھنے سے معذور کر دیا تھا۔ اس ملک سے، جسے وہ اپنا گھر کہتے اور سمجھتے تھے۔ آئیوری کوسٹ میں اپنے قیام کے اختتام میں، مجھے اس کے دارالحکومت 'ابید جان' میں قائم ایک یتیم خانے میں جانے کا موقع ملا۔ یہ یتیم خانہ بہت سے ایسے بچوں کا گھر تھا، جنھیں ان کی پیدائش کے وقت ہی وہاں چھوڑ دیا گیا تھا یا جن کے والدین کی وفات ہو گئی تھی۔ ان میں سے کچھ بچے وہاں اس لیے بھی چھوڑ دیے گئے تھے کہ وہ معذور تھے۔

اس وقت آئیوری کوسٹ کے قوانین ان 'لاوارث' بچوں کو شہری حقوق فراہم نہیں کرتے، جن کے پاس اپنے والدین سے متعلق کوئی ثبوت نہیں تھے۔ اس کے سبب یہ بچے اپنی پوری زندگی 'بے وطن' کی حیثیت سے گزارنے پر مجبور ہوتے۔

انھی بچوں میں سے ایک گیارہ سالہ لڑکے سے میری ملاقات ہوئی۔ وہ 'بے وطن' تھا اور اس کی اب تک کی زندگی اسی یتیم خانے میں گزری تھی۔ مجھے یاد ہے کہ ہماری مختصر بات چیت ہوئی۔ جب میں نے اس کی تصویر کھینچی، تو اس نے مجھ سے فرانسیسی میں کچھ کہا۔ چونکہ میں فرانسیسی بولنے یا سمجھنے سے قاصر تھا، سو مترجم کی جانب سے بات سمجھانے سے قبل تک میں توقع کر رہا تھا کہ اس لڑکے نے شاید تصویر کھینچنے کے متعلق کچھ کہا ہوگا۔ لیکن اس کے بجائے، مترجم نے مجھے بتایا کہ اس نو عمر بچے نے مجھے مخاطب کر کے کہا تھا۔۔۔

''آپ مجھے سمجھ رہے ہیں نا!''

یہ نا قابلِ بیاں حد تک طاقت ور الفاظ تھے، اور وہ لمحہ میرے لیے نا قابلِ فراموش بن گیا!

کیوں؟ وہ اس لیے کہ بچے، بہت سارے طریقوں سے 'بے وطنی' کا وہ خاموش شکار ہیں، جو سب کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہی 'بے وطنی' انھیں بہت ساری چیزیں کھونے پر مجبور کر دیتی ہے۔ یہ ان بچوں کا مستقبل ان سے چھین لیتی ہے اور یوں ان کی صلاحیتیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ یہ بچے جو کسی بھی معاشرے کا اہم سرمایہ ہوتے ہیں، انھیں یوں ضائع ہونے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔

یہ بچے اپنے حقوق کی آواز اٹھانے کے لیے دوسروں پر انحصار کرتے ہیں اور اس 'دوسروں' میں دیگر بچے بھی شامل ہیں۔ وہ دیگر بچے، جو جانتے ہیں کہ اسکول جانے، اپنی پڑھائی سے لطف اندوز ہونے، جاننے، سیکھنے اور آگے بڑھتے چلے جانے کا کیا لطف ہے۔ وہ دیگر بچے، جو خواب دیکھتے ہیں اور ان خوابوں کو پورا کرنے کے لیے ان کی زندگی میں مواقع موجود ہیں۔ یہ دیگر بچے، جو دنیا بھر میں آباد ہیں، بھرپور یقین رکھتے ہیں کہ ہم سب کا یہ بار بار دہرانا ضروری ہے کہ ''ہر بچہ پیدائشی سرٹیفکیٹ کا مستحق ہے۔ ہر بچہ حقِ شہریت کا مستحق ہے۔ ہر بچہ ایک بہتر مستقبل رکھنے کا مستحق ہے۔''

ہم آپ کو سمجھتے ہیں!

بے وطن بچے کے نام
ایک خط

اپنے اِس جادوئی سفر کے بعد، میری ملاقات تین انتہائی قابل خواتین سے ہوئی، جنھوں نے اپنی پوری زندگی دوسروں کی مدد کرنے ،تاریخ کو سمجھنے اور قانون کو مثبت مقاصد کے لیے استعمال کرنے کے لیے وقف کر دی ہے۔ میری کہانی نے انھیں بہت متاثر کیا، اور انھوں نے مجھے انصاف اور حقوق کی جدوجہد کو جاری رکھنے کی ترغیب دی۔ انھوں نے میری تعریف کی کہ میں بہت بہادر ہوں اور ایک شان دار کام کر رہی ہوں۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ وہ خود بھی اپنے طور پر ہر ممکن کوششیں جاری رکھیں گی۔ وہ بخوبی واقف تھیں کہ 'بے وطن' ہونا یقیناً تنہائی اور مایوسی کا احساس دلاتا ہے۔ خاص طور پر اس وقت جب آپ کو یہ علم ہی نہ ہو کہ آپ کے علاوہ دنیا میں اور لوگ بھی ہیں، جو اس صورتِ حال کو تبدیل کرنے کیلیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ سوان کے ذہن میں ایک اچھوتا خیال آیا اور انھوں نے تمام بے وطن بچوں کے نام درج ذیل خط لکھنے کا فیصلہ کیا:

عزیز دوست!

ہم تمھیں یہ خط اس لیے لکھ رہی ہیں کیونکہ تم دنیا کے اُن بہت سے بچوں میں سے ایک ہو، جس کے پاس کسی ملک کی شہریت نہیں ہے۔ تمھاری کوئی شہریت نہیں ہے، کیونکہ دنیا نے تمھارے ساتھ ناانصافی کی ہے۔ اس میں تمھارا یا تمھارے والدین کا ہرگز کوئی قصور نہیں ہے۔ ہر انسان برابر ہے اور اس کے ساتھ یکساں سلوک ہونا چاہیے۔ ہم اس پر کامل یقین رکھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہم، تمام لوگوں کے برابر حقوق حاصل کرنے کے لیے کئی سالوں سے مصروف عمل ہیں۔

تمھاری صورت حال شاید آٹھ سالہ ایلسا سے مختلف نہ ہو، جو جمہوریہ ڈومینکن میں پیدا ہوئی۔ اس کی ماں ہیٹی میں پیدا ہوئی تھی، لیکن کئی سالوں سے جمہوریہ ڈومینکن میں مقیم ہیں۔ اس کی دادی یہاں کی شہری ہیں، لیکن ایلسا کو ڈومینیکن تسلیم نہیں کیا جاتا۔ وہ صرف دس سال کی عمر تک اسکول جا سکے گی، جس کے بعد اسے شناختی کاغذات کی ضرورت ہوگی۔

یا ایون جیسی، جو کوسوو میں پیدا ہوا۔ اس کی ماں کروشین ہے اور باپ سَرب ہے، جن کے شناختی کاغذات جنگ کے دوران تباہ ہو گئے تھے۔ جب ایون بہت بیمار تھا، تو اسپتال نے اسے علاج معالجے کے لیے داخل کرنے سے انکار کر دیا، کیونکہ ان کے پاس شناختی کاغذات نہیں تھے۔

یا سبینا جیسی، جو نیپال میں پیدا ہوئی۔ اس کی ماں اکیلی تھی۔ نیپال میں ایک اکیلی ماں (خاتون) کے لیے اپنی شہریت اپنے بچے کو منتقل کرنا مشکل ہے۔ سبینا نے ہمیں بتایا: "میں نے ہمیشہ خود کو اپنی سہیلیوں جیسا ہی سمجھا تھا۔ لیکن مجھے بعد میں پتا چلا کہ ایسا نہیں ہے۔ جب میں نے اسکول بورڈ کا امتحانی فارم ان کے ہمراہ پُر کیا تو میری تمام سہیلیوں کے فارم جمع ہو گئے مگر میرا فارم جمع کرنے سے انکار کر دیا گیا۔" یا بہت سے اُن دوسرے بچوں جیسی، جو دیگر وجوہات کی بنا پر 'بے وطن' ٹھہرائے گئے ہیں۔

لیکن یاد رکھو، تم ایک منفرد اور خاص انسان ہو۔ تمھاری اپنی ایک ذاتی کہانی ہے۔ تم دُنیا کا مستقبل ہو اور اگر تمھیں اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرنے کا موقع دیا جائے تو تم یقیناً بہت بڑے کام کر سکتے ہو۔ تم شاید سوچتے ہو گے کہ کیا دُنیا کو تمھاری پرواہ ہے؟ تمھیں مزید کتنا انتظار کرنا پڑے گا؟ تم ایسا کیا کرو کہ دُنیا کو تمھاری موجودہ حالت سمجھ میں آ سکے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ تمھیں مایوس کیا گیا ہے۔ یہ بہت غلط ہوا ہے کہ تمھارے ساتھ اس طرح کا سلوک رَوا رکھا گیا ہے۔ ہر انسان کو قومیت اور کسی ملک سے مکمل طور پر تعلق و وابستگی رکھنے کے حقوق حاصل ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ ہر لڑکے اور لڑکی کے پاس شناختی کاغذات بہ شمول پیدائشی سرٹیفکیٹ ہونا چاہیے۔ تمام بچوں کو یہ حق حاصل ہے؛ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ کون ہیں، کہاں رہتے ہیں، ان کے والدین کیا کرتے ہیں (یا ان کے والدین ہوں یا نہ ہوں)، وہ کون سی زبان بولتے ہیں، ان کا مذہب کیا ہے، وہ لڑکا ہیں یا لڑکی، ان کی ثقافت کیا ہے، اگرچہ انھیں کوئی معذوری بھی ہو، اور چاہے وہ امیر ہوں یا غریب، یہ ہر بچے کا بہ طور انسان بنیادی حق ہے، جس کی ضمانت "انسانی حقوق کے عالمی اعلامیے" اور 'بچوں کے حقوق کے کنونشن' میں دی گئی ہے۔

لیکن ان حقوق کو حاصل کرنا یعنی برابری حاصل کرنا، ایک ایسی جنگ ہے جسے بار بار لڑنا پڑتا ہے۔ جس میں اکثر ملکوں کے لوگ، اور ہمارے ملک کے لوگ بھی حصہ لیتے آئے ہیں۔

ہماری دادیوں میں سے ایک اپنی شہریت سے اس وقت محروم کر دی گئی تھیں، جب انھوں نے کسی دوسرے ملک کے آدمی سے شادی کی۔ ہمارے ایک دادا بے وطن تھے، کیونکہ ان کے ملک کی حکومت یہودیوں کو شہری تسلیم نہیں کرتی تھی۔ ہم میں سے ایک کے والدین نے یورپ میں ایسے پناہ گزین لڑکوں کو چھت فراہم کی، جنھیں اپنا ملک اس لیے چھوڑنا پڑا کیونکہ وہ ایک ظالم آمر حاکم کی طرف سے سزا کے مستحق ٹھہرائے گئے تھے۔ اور ہم تینوں کے حلقے میں ایسے عزیز

دوست بھی موجود ہیں، جنھیں اپنی شہریت سے محروم کردیا گیا یا وہ خود بے وطن ہیں۔

کسی حکومت کی جانب سے پیش کیا جانے والا یہ عذر بالکل قابلِ قبول نہیں ہے کہ تم اپنے والدین، اپنے مذہب، یا اس وجہ سے کہ تمھاری ماں تمھیں اپنی شہریت منتقل نہیں کر سکی، تکلیف اٹھاؤ۔ تمھارے انسانی حقوق ہیں، اور تمھیں ہر صورت میں یہ موقع ملنا چاہیے کہ تم اُن حقوق کے فائدے حاصل کر سکو۔

ہم تمھیں بتانا چاہتی ہیں کہ ایسے لوگ بھی اس دنیا میں موجود ہیں، جو بے وطنی کے مسئلے کو قابو کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ تمھارے جیسے ان تمام لوگوں کی صورتِ حال بدلنے کی کوشش کر رہے ہیں، جو اس وقت بے وطن ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ موجودہ صورتِ حال مایوس کن ہے۔ سب سے زیادہ تمھارے لیے، کہ ہم میں پُرامید لوگوں کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ لیکن ہم تمھیں یہ بھی بتانا چاہتے ہیں کہ آہستہ آہستہ ہی سہی، مگر مثبت تبدیلی آرہی ہے۔ اب زیادہ لوگ اس مقصد کے لیے متحرک ہو رہے ہیں۔ اس بات کی آگہی اب لوگوں کو ہو رہی ہے کہ بچے کیوں 'بے وطنی' کا شکار ہیں، یا شہریت نہ ہونے کا کیا مطلب ہے۔ اقوام متحدہ دنیا کے سب ملکوں پر زور دے رہی ہے کہ وہ اپنے شہریت کے قوانین میں تبدیلیاں لائیں۔ کچھ ممالک نے اس پر عمل کرنا بھی شروع کر دیا ہے۔ دس پناہ گزین اور بے وطن کھلاڑیوں پر مشتمل گروپ نے ۲۰۱۶ء کے اولمپک کھیلوں میں برازیل کے شہر ریو دی جنیرو کے افتتاحی پریڈ کی قیادت کی۔ انھوں نے اولمپک پرچم لہرایا، ترانے کے دوران مارچ کیا، اور ان کی صلاحیتوں اور بہادری کے اعزاز میں اسٹیڈیم میں موجود لوگوں نے کھڑے ہو کر تالیاں بجائیں۔

ہم اس بات کا اعتراف کرنا چاہتی ہیں کہ تم میں سے وہ تمام لوگ قابلِ رشک ہیں، جو اپنی موجودہ صورتِ حال کا نہایت حوصلے کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کر رہے ہیں۔ ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم تمھارے لیے اپنی کوشش جاری رکھیں گے اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دیں گے۔

بہت پیار،

رِیچل بریٹ، اِستفنی گرانٹ، لِنڈا کے کیربَر

فرض کیجیے کہ آپ ایک ایسے بچے ہیں جس کے پاس شہریت موجود ہے۔ اگر آپ کو کسی اپنے ہم عمر 'بے وطن' بچے کو خط لکھنا پڑے تو آپ کیا لکھیں گے؟

آپ ایک ایسے بچے ہیں جس کے پاس کوئی شہریت موجود نہیں ہے۔ اگر آپ کو اپنے جیسے 'بے وطن' بچے کو، جو کسی دوسرے ملک میں مقیم ہے، یا شہریت کے حامل کسی بچے کو خط لکھنا پڑے تو آپ کیا لکھیں گے؟

نیہا کا مستقبل

میری ہم جماعت سہیلی نے مشورہ دیا کہ ہم امتحانات کے ختم ہونے پر جمعہ کو پکنک پر چلیں۔ میں نے امی سے پوچھا کہ مجھے کیا بنانا چاہیے؟

''شمبراک! میں نے حال ہی میں یوٹیوب پر ایک مزے دار ترکیب دیکھی تھی اور میں اسے آزمانا چاہتی ہوں۔ میں اسے تیار کرنے میں تمھاری مدد کر سکتی ہوں، نانو!'' امی نے جواب دیا۔

پھر انھوں نے مجھے شمبراک کے بارے میں بتانا شروع کیا کہ یہ ایک تلے ہوئے آٹے کے پیڑوں کا پکوان ہے، جس کے اندر گوشت، مختلف جڑی بوٹیاں اور مصالحے بھر کر اُسے ہلکی آنچ پر پکایا جاتا ہے۔ میرے ذہن میں اچانک ایک جھماکا آیا اور مجھے بے اختیار ہو کر بیٹھنا پڑا۔ مجھے اس وقت سیما کے گھر میں بننے والے خوشبودار پکوان کی مہک اپنے نتھنوں میں محسوس ہوئی۔

''امی، کیا یہ کوئی شامی کُرد پکوان ہے؟''

''ہاں نانو!'' انھوں نے جواب دیا۔

پچھلے کچھ سال طوفان کی مانند تیزی سے گزرے۔ دنیا بھر سے میرے دوستوں یعنی گریس، سیما، رِیکی، لُوکس اور باقی سب نے شہریت اور بے وطنی کے بارے میں آگہی پھیلانے کے حوالے سے بہت سی کوششیں کی ہیں۔ اور ہم نے اس سفر میں بہت سے نئے دوست بھی بنائے۔ ہم کبھی کبھار ایک دوسرے کو خط بھی لکھتے رہے اور ان میں کچھ نے میرے ذریعے ایک دوسرے کو جانا۔ لیکن اس کھانے کی شبیہہ اور مہک نے مجھے خیالوں میں اُس مہم جوئی میں واپس پہنچا دیا، جہاں سے یہ سفر شروع ہوا تھا!
ہمیں بالآخر نیپالی شہریت مل گئی!

یہ ایک طویل جنگ تھی۔ میری امی کٹھمنڈو میں موجود سپریم کورٹ میں داخل، اسی طرح کے، مقدمات کے بارے میں پڑھتے ہوئے دیر تک جاگی رہتیں۔ ہم ہر جمعہ، اسکول کے بعد سرکاری عمارتوں کے باہر احتجاج کرتے۔ میں نے اپنی لکھی ہوئی ایک نظم، جو بے وطنی کے احساس کی ترجمانی کرتی ہے، 'دربار اسکوائر' میں لوگوں کے ایک بڑے مجمع کے سامنے پڑھ کر سنائی۔

نیپالی زبان میں 'نانو' کا مطلب چھوٹی لڑکی ہے۔

مختلف ممالک کے لوگ گھر آتے اور ہمارے معاملے کے بارے میں پوچھتے۔ ہمارا سپریم کورٹ میں چار سے پانچ بار جانا ہوا۔ کبھی کبھار ہمارا مقدمہ ملتوی یا موخر کر دیا جاتا۔ ان سب کے دوران، میں خود کو ایک غیر مرئی صندوق میں پھنسا ہوا محسوس کرتی تھی۔ میں ایک عام شخص کی طرح ملنے جلنے، کام کرنے یا بات کرنے کے تو قابل تھی۔ لیکن کوئی چیز جیسے میرے اختیار سے بالکل باہر تھی، جو میری شخصیت کو مکمل ہونے میں رکاوٹ ڈال رہی تھی۔
ہماری وکیل سُشما آنٹی زبردست انداز میں ہمارا مقدمہ لڑ رہی تھیں۔ انھوں نے دلیل دی کہ نیپال کا قانونِ شہریت، آئین کے خلاف ہے کیونکہ اس کے مطابق تمام مرد اور عورت برابر ہیں۔ اور ہم نے آخر کار اپنا حقِ شہریت جیت لیا۔ میں وہ دن کبھی نہیں بھول سکتی جب ہمیں یہ خوش خبری ملی۔ میں خوشی سے پھول کر کپّا ہو گئی!
میری دلی تمنا تھی کہ جنگل میں لگی آگ کی طرح یہ خبر میرے جاننے والے ہر شخص تک پہنچے۔
کچھ دیر پہلے میں اسکول کے جس امتحان کا ذکر کر رہی تھی، یہ وہی امتحان تھے جس کے بارے میں مجھے اس قدر خوف تھا کہ میری بہن اس میں نہیں بیٹھ پائے گی۔ میں یہ امتحان صرف اس لیے دے پا رہی ہوں کیونکہ اب میرے پاس شہریت ہے۔ اگرچہ امتحان تکان سے بھرپور تھے، لیکن میرے ذہن سے ایک بہت بڑا بوجھ اب اتر گیا ہے۔

کٹھمنڈو کے ایک خوبصورت تاریخی چوک کا نام 'دربار اسکوائر' ہے۔

اب میرے پاس شہری حقوق ہیں، جنھیں مجھ سے کوئی بھی چھین نہیں سکتا۔ میں اپنے دنیا بھر کے دوستوں کے بارے میں سوچتی ہوں۔ میں واقعی ان سے دوبارہ ملنا چاہتی ہوں۔ میں دل و جان سے ان کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔ انھیں بتانا چاہتی ہوں کہ میں ان کے لیے اور ہر اس فرد کے لیے لڑتی رہوں گی، جس کے پاس اب بھی حقِ شہریت نہیں ہے۔

میں نے امی سے کہا کہ میں ابھی واپس آتی ہوں۔
میں اپنے کمرے کی طرف بھاگی اور اپنے بستر کے نیچے موجود تھیلوں کے پیچھے سے ایک پرانا بکسہ باہر نکالا۔ بکسے کے اندر خطوط، تصاویر اور میری پرانی پھٹی ہوئی نوٹ بک کے نیچے لُوکس کا سکّوں والا تھیلا تھا۔
میں نے تھیلے میں ہاتھ ڈال کر بغیر دیکھے ایک سکّہ نکالا اور مضبوطی سے اپنی مٹھی بند کرلی۔ پھر میں نے اپنی دلی تمنا کا اظہار کیا۔
کچھ لمحے بعد میں نے آنکھیں کھولی، لیکن میں اب بھی اپنے کمرے ہی میں موجود تھی!
میں نے وہ سکّہ اُچھالا اور دوسرے سکے کی مدد سے ایک بار پھر کوشش کی۔ مگر اب بھی کچھ نہیں ہوا!
اچانک میرے ذہن میں ایک خیال کوندا!
مجھے اب سکّوں کی ضرورت نہیں ہے۔
میں وہی ہوں جہاں سے میرا اصل تعلق ہے۔
میں اب تسلیم شدہ ہوں۔
میں اب دوسروں کے برابر ہوں!

سوچیے، سیکھیے، عمل کیجیے، کھیلیے اور آگے بڑھیے!

آئیے تخلیقی انداز میں آگہی پھیلائیں!

اب تک آپ 'بے وطنی' کے مسئلے کے بارے میں بہت کچھ جان چکے ہیں۔ یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ اب آپ دُنیا کے زیادہ تر لوگوں سے زیادہ 'بے وطنی' کے بارے میں جانتے ہیں۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ اب آپ اس حوالے سے ایک چھوٹے موٹے ماہر بھی بن گئے ہیں!

میں اُمید کرتی ہوں کہ آپ ہمارا ساتھ دیں گے۔۔۔

لوگوں کو شہریت اور بے وطنی سے متعلق آگاہ کرنے اور یہ بتانے میں کہ یہ کتنا غلط اور غیر منصفانہ ہے کہ کئی بچے بے وطن ہیں۔

آپ اس سلسلے میں بہت کچھ کر سکتے ہیں!

بے وطنی کے بارے میں آگہی پھیلانے، اس مقصد کے تحت ایک متحرک کارکن بننے کے طریقوں کے بارے میں جاننے کے لیے اور بے وطنی کے بارے میں مزید سیکھنے کے لیے درج ذیل ویب سائٹ ملاحظہ کیجیے:

www.kids.worldsstateless.org

اب ہم کچھ ایسے عملی طریقے پیش کریں گے تاکہ جن کی مدد سے آپ بھی اس مہم کا حصہ بن سکتے ہیں!
آپ اِن سے مختلف طریقے بھی آزما سکتے ہیں۔ یہ آپ کو خود پتا لگانا ہو گا کہ کون سا طریقہ آپ سے مطابقت رکھتا ہے، جس کی مدد سے آپ اپنے جذبات و خیالات کو بہترین طریقے سے خود سمجھ سکتے ہیں اور اسے بیان کر سکتے ہیں۔ بے وطنی اور شہریت کے بارے میں آگہی پھیلانے کے لیے اپنی صلاحیتوں کا استعمال کیجیے۔ جو آپ نے سیکھا ہے، وہ دوسرے لوگوں کو بتایئے اور سکھایئے تاکہ انھیں بھی اس بامقصد کام میں دلچسپی ہو۔ یاد رکھیے، ہم کوئی بھی تبدیلی آپس میں مل جل کر ہی لا سکتے ہیں!

بے وطنی سے متعلق آگہی مہم کے چیمپئن بنیے:
اس مسئلے کے بارے میں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو آگاہ کرنے کے لیے کوئز مقابلے کیجیے، جس میں اس موضوع سے متعلق سوال و جواب کیے جائیں۔ اس مہم کا آغاز آپ اپنے گھر والوں اور دوستوں سے کیجیے۔ اپنے اسکول ٹیچر کے ساتھ مل کر آپ اپنے ہم جماعتوں کے ساتھ بھی یہ کوئز کر سکتے ہیں۔

اپنے ملک میں بے وطنی کے بارے میں مزید جانیے:
(انٹرنیٹ یا دستیاب ذرائع) کی مدد سے تحقیق کیجیے کہ کیا آپ کے ملک میں 'بے وطن' افراد/برادری موجود ہیں۔ ان کے بارے میں مطالعہ کیجیے کہ ان کے ساتھ کیا پیش آیا، ان کی موجودہ صورتِ حال کیا ہے اور وہ اس مسئلے کا مقابلہ کیسے کر رہے ہیں۔

خط لکھ کر آگاہ کیجیے:
اپنے مقامی اخبار کے مدیر، اپنے اسکول کے میگزین، یا مقامی سیاسی شخصیت کو خط لکھیے اور انھیں بتایئے کہ بے وطنی کیا ہے اور وہ اسے حل کرنے میں اپنا کیا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

معلوماتی/آگہی پر مبنی ویڈیو بنایئے:
مختصر ویڈیو بنا کر لوگوں کو بتایئے کہ بے وطنی کیا ہے اور اس سے متعلق ہم کیا کوششیں کر سکتے ہیں۔ اپنی ان ویڈیوز کو سوشل میڈیا کے ذریعے دوستوں اور خاندان کے لوگوں کو بھیجیے۔ تاہم آن لائن ذرائع کا استعمال کرتے ہوئے اپنا تحفظ ہمیشہ یقینی بنایئے!

معلوماتی پوسٹر تیار کیجیے:
اپنے گھر یا کمرۂ جماعت میں ایسے پوسٹر بنا کر چسپاں کیجیے، جن میں آپ کے ملک کے قوانینِ شہریت، ہر بچے کے حقِ شہریت، یا تمام بے وطن بچوں کے حقوق کے بارے میں بات کی گئی ہو۔

دلچسپ اور متاثر کن نعرے سوچیے:
بے وطنی سے متعلق آگہی/احتجاجی مہم چلانے کے لیے دلچسپ نعرے سوچیے۔ ''حقِ شہریت سب کا بنیادی حق'' یا ''شہریت سب کے لیے'' وغیرہ۔ کیا آپ سوچ کر کوئی اور دلچسپ نعرہ بنا سکتے ہیں؟

بے وطنی کے بارے میں پینٹنگ بنایئے:
کسی تصویر کی مدد سے یا خود اپنی سمجھ بوجھ اور تخیل کو استعمال کرتے ہوئے اس موضوع پر مصوری کیجیے۔ اپنی پینٹنگ کو آپ کسی آرٹ مقابلے میں یا اپنے اسکول میں نمائش کے لیے پیش کر سکتے ہیں۔

تخلیقی اظہار کیجیے:
اگر آپ تخلیقی صلاحیتوں کے حامل ہیں تو آپ اس موضوع پر کوئی نظم، مختصر کہانی، ڈرامہ یا ایک گانا تحریر/تیار کر سکتے ہیں۔ آپ اپنے اس تخلیقی کام کو اپنے اسکول میں، دوستوں یا خاندان کے سامنے بھی پیش کر سکتے ہیں۔

اظہارِ تشکر

یہ کتاب انسٹی ٹیوٹ آن اِسٹیٹ لیسنیس اینڈ انکلوژن کے زیرِ اہتمام شائع کی گئی ہے۔ یہ ایک آزادانہ تنظیم ہے، جو ہر فرد کے حقِ شہریت کے حصول کے لیے کوشاں ہے۔ ہماری توجہ کا ایک اہم مرکز 'بچپن کی بے وطنی' (Childhood Statelessness) کا مسئلہ ہے، جو دنیا بھر کے لاکھوں بچوں کو متاثر کر رہا ہے۔ یہ کتاب اور اس سے منسلک ویب سائٹ www.kids.worldsstateless.org کا مقصد بچوں اور بڑوں، ہر ایک کو اس مسئلے کے بارے میں آگاہ کرنا ہے۔

یہ کتاب امل دی چکیرا اور ڈیئرڈرہ برینن نے انگریزی زبان میں تحریر کی ہے۔ جس میں لورا ین واس اور ایلن وربیک کے ادارتی مشورے شامل ہیں اِسے اردو کے قالب میں فریدالحسن نے ڈھالا ہے، جس کی ادارت رومانہ حسین نے کی۔ اس کی تصویر کشی دئین پونے اور ڈیزائن دیشان تینّکون نے کی ہے۔ اردو تزئین اور ترتیب کشف عاصم نے انجام دی ہے۔ ہم ایس او ایس ولیج (ابوئیسو) اور یو این ایچ سی آر (آئیوری کوسٹ) کے بچوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں، جنھوں نے اپنی بنائی ہوئی تصویروں (صفحات ۴، ۵۲، ۶۲ اور ۵۵) کو اس کتاب میں استعمال کرنے کی اجازت دی۔ ہم کنچنی چندراشری کے بھی مشکور ہیں، جن کی مصوری (صفحہ ۷۷) بھی اس کتاب میں شامل کی گئی۔ ہم ان تمام فوٹو گرافرز کے بھی شکر گزار ہیں، جنھوں نے اپنی کھینچی ہوئی تصاویر (فوٹو گرافس) اس کتاب میں استعمال کرنے کے لیے فراہم کیں:

گریگ کانسٹنٹائن (صفحات ۱۷، ۲۳، ۵۲، ۵۳، ۵۵، ۵۹ اور ۷۵)، سیف الحق اومی (صفحات ۳۱، ۵۶، ۵۷)، ایلسن پیٹروزیلوو اور اوبمیکا (صفحہ ۲۱)، سُبین مُلمی اور ایف ڈبلیو ایل ڈی (صفحہ ۴۲)، دِیپتی گُرنگ (صفحہ ۸۳)، کینیا ہیومن رائٹس کمیشن (صفحہ ۳۹)، لورا کوئنتانا سومس (صفحہ ۲۰) اور ہیلن برنٹ (صفحہ ۳۳)۔

ہم این اور جیف ہیورڈ، پیومی سمارا ویرا اور جرلاتھ کلفورڈ کا خصوصی شکریہ ادا کرتے ہیں، جنھوں نے اِس کتاب کے متن کے پروف پڑھے۔

کتاب لکھنے سے قبل، ہم نے دنیا بھر کے بہت سے بچوں سے شہریت اور بے وطنی پر مشتمل ایک سوال نامہ پُر کرنے کی درخواست کی تھی۔ پاکستان، نیدرلینڈ، سربیا، سری لنکا، برطانیہ، امریکہ، تھائی لینڈ اور آئرلینڈ سمیت مختلف ممالک کے دو سو سے زائد بچوں کے جوابات نے ہماری مدد کی۔ ہم ان سب کے ساتھ ساتھ اپنے بین الاقوامی معاونین اور دوستوں کے بھی مشکور ہیں، جنھوں نے یہ جوابات جمع کیے۔ کتاب میں چار بچوں کے جوابات شامل کیے گئے ہیں: لُوکس اور لِنڈے (نیدرلینڈ)، اور کِتھمی اور کِنولی (سری لنکا)۔

یہ کتاب دنیا میں بسے بے وطن لوگوں کی حقیقی کہانیوں پر مبنی ہے۔ ہم ان سب کا بھرپور شکریہ ادا کرتے ہیں، جنھوں نے اپنی کہانیوں کا ہم سے تبادلہ کیا۔ نیز ان تمام لوگوں کا بھی شکریہ جن کی تحقیق نے اس کتاب کی تخلیق میں معاونت فراہم کیں:

مقدونیہ کی کیڈیا کا کردار، ادارہ ہٰذا، European Roma Rights Centre, the European Network on Statelessness اور دیگر شریک تنظیموں کی جانب سے مغربی بلقان میں بے وطن روما برادری پر کی گئی تحقیق پر مبنی ہے، جو اکتوبر ۲۰۱۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ تفصیلات کے لیے یہ لنک ملاحظہ کیجیے:

https://www.errc.org/cms/upload/file/roma-blong.pdf

جمہوریہ ڈومینکن کی روزا کا کردار، اپریل ۲۰۱۷ء میں جاری ہونے والی دستاویزی فلم 'Our Lives in Transit' پر مبنی ہے۔ یہ فلم Minority Rights Group International نے بنائی ہے۔ آپ یہ دستاویزی فلم اِس لنک کی مدد سے سکتے ہیں: https://www.youtube.com/watch?v=DAqGuj8ATIU

آئیوری کوسٹ کی گریس اور دیگر بچوں کی کہانی، UNHCR کی جانب سے نومبر ۲۰۱۵ء میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ The Lost Children of Cote d'Ivoire پر مبنی ہے، جسے اس لنک کی مدد سے ملاحظہ کیا جاسکتا ہے:

http://kora.unhcr.org/lost-children-cote-divoire

آصف، رِیکی اور باجباؤلوت بچوں کی کہانی، ہیلن برنٹ کے مضمون 'Stateless at Sea' سے ماخوذ ہے، جو ادارہ ہٰذا کے ۲۰۱۷ء کی رپورٹ World's Stateless Report میں شائع ہوئی تھی۔ اس رپورٹ کا لنک یہ ہے:

http://www.institutesi.org/worldsstateless17.pdf

جرمنی کے سیما کی کہانی، زہرہ البرازی کی ۲۰۱۶ء میں شائع ہونے والی رپورٹ 'The Stateless Syrians' اور ادارہ ہٰذا کے پاس محفوظ سال ۲۰۱۶ء میں بے وطن شامی بچوں سے کیے جانے والے انٹرویوز پر مبنی ہے۔ مذکورہ رپورٹ اس لنک پر ملاحظہ کیجیے: http://www.refworld.org/pdfid/52a983124.pdf

مکوندے برادری کی کہانی، کینیا ہیومن رائٹس کمیشن کی جولائی ۲۰۱۷ء میں بننے والی دستاویزی فلم 'The Journey of the Makonde to Citizenship' پر مبنی ہے۔ مذکورہ دستاویزی فلم کا لنک یہ ہے:

https://www.youtube.com/watch?v=-PG8chfAX_U

نیپال سے متعلق معلومات، Forum for Women Law and Development کی کاوشوں، نیز دِیپتی گُرنگ اور ان کے خاندان کے ساتھ ہماری متعدد ملاقاتوں اور بات چیت پر مبنی ہیں۔

'بے وطن بچوں کے سوالات' سب سے پہلے جون ۲۰۱۶ء میں جنیوا میں منعقدہ یو این ایچ سی آر اور این جی اوز کے مشاورتی اجلاس میں پیش کیے گئے تھے۔ (اس سے متعلقہ امل دی چکیرا کا مضمون 'Being Accountable to Stateless Children and Youth' اس لنک پر ملاحظہ فرمایئے:

http://www.institutesi.org/worldsstateless17.pdf

اس اشاعت میں شامل تحریر 'ہم آپ کو سمجھتے ہیں' کو گریگ کانسٹنٹائن نے لکھا تھا۔ اس سے قبل، اس کی ایک اور اشاعت، ادارہ ہٰذا کے ۲۰۱۷ء کی رپورٹ World's Stateless Report میں شامل کی گئی تھی ۔ لنک:

http://www.institutesi.org/worldsstateless17.pdf

'بے وطن بچے کے نام خط' کو لِنڈا کربر، ریچل بریٹ اور اِسٹیفنی گرانٹ نے تحریر کیا ہے، جو ادارہ ہٰذا کے ٹرسٹیز ہیں۔

ہم اُن تمام افراد کا شکریہ ادا کرتے ہیں، جنھوں نے اِس کتاب کے مسودے کو پڑھ کر ہمیں اپنی قیمتی رائے دی، مفید مشورے دیے اور ہماری ہمت بھی بڑھائی۔ ہم ٹونی ڈالی اور کیارا ریگن (Educating and Acting for a Better World 80:20) کے بے حد مشکور ہیں کہ انھوں نے اِس پورے دورانیے میں ہماری بھرپور معاونت کی۔ ہم اس سلسلے میں کارل اوبروئن، پرنسپل مائیوٹیرنی اور BNS، برے، آئرلینڈ کے تمام سٹاف ممبران کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ہم سمنتھا پائپر اور اُن کی طالبہ ایمِلی اینٹ شیرل، الیاسمین اکادمی، ابوظہبی؛ مس ایل براؤننگ، ہیڈ ٹیچر نار بری پرائمری اسکول، ہیرو، برطانیہ؛ رووَنتھی دی چکیرا جن کا تعلق اِسٹیجز تھیٹر گروپ، سری لنکا سے ہے، UNICEF کے کیری نیل اور Kids Own Publishing کی جَو ہوم وُوڈ اور ان کے ساتھی ملازمین کے بھی نہایت مشکور ہیں۔

ہم ان تمام عطیہ دہندگان کے بھی تہہِ دل سے مشکور ہیں، جن کی معاونت سے اس کتاب کی اشاعت ممکن ہوئی:
The Sigrid Rausing Trust، Janivo Stichting، Stichting Weeshius der Doopsgezinden اور Oak Foundation۔

آخر میں ہم لازمی طور پر نیہا، ان کی بہن نِکیتا، والدہ دیپتی اور ان کے شریکِ حیات دیواکر کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔ نیہا، جو اس کہانی کی بنیادی کردار ہیں اور جو ہمارے لیے اس کتاب کی کہانی کو آگے بڑھانے کا ذریعہ بنی ہے۔ ہم ان کے خاندان کے باقی افراد کی شان دار کاوشوں کو بھی دل سے سراہتے ہیں، جو نیپال میں صنفی امتیاز پر مبنی قومیِ شہریت اور بے وطنی کے خلاف جدوجہد میں تسلسل کے ساتھ وابستہ ہیں۔ آپ سب ہمارے لیے ایک قابلِ تحسین مثال ہیں!

ایمنسٹی انٹرنیشنل کی تیار کردہ انسانی حقوق پر مبنی دس بہترین ویڈیوز کا مجموعہ:
https://www.amnesty.org/en/latest/education/2015/05/10-best-human-rights-videos/

ایمنسٹی انٹرنیشنل کی شائع کردہ ابتدائی جماعت اور پرائمری اسکولوں سے متعلق معلوماتی مواد:
https://www.amnesty.org.uk/primary-schools-education-resources

یورپیئن نیٹ ورک آن اسٹیٹ لیسنیس کی تیار کردہ #بے ریاست بچے نامی مہم سے متعلق ویڈیو مواد:
https://www.youtube.com/watch?v=VvUMZanVToA

بے ریاستی کے بارے میں از گریگ کانسٹنٹائن:
http://www.aboutstatelessness.com/

انسٹی ٹیوٹ آن اسٹیٹ لیسنیس اینڈ انکلوژن کی شائع کردہ بے وطنی کا شکار بچے- عالمی رپورٹ (۲۰۱۷ء):
http://worldsstateless.org/

لائرز فار ہیومن رائٹس اور انسٹی ٹیوٹ آن اسٹیٹ لیسنیس اینڈ انکلوژن کی جانب سے تیار کردہ مواد 'جنوبی افریقہ میں بچپن کی بے وطنی'- (۲۰۱۶ء):
http://lhr.org.za/sites/lhr.org.za/files/childhood_statelessness_in_south_africa.pdf

یونیسف (یوکے) کی شائع کردہ مختصر کتابچہ برائے حقوق و فرائض:
https://www.unicef.org/rightsite/files/little_book_rights.pdf

یو این ایچ سی آر کی '#میری وابستگی- ۲۰۲۴ء تک بے وطنی کا خاتمہ' نامی مہم پر مشتمل ویڈیو پلے لسٹ:
https://www.youtube.com/watch?v=WBdvCsw1Syc&index=
1&list=PLtPw-Y91GlmVCipdhJgNZ4fTogqradSIj

اسی موضوع پر ہماری ویب سائٹ کو وزٹ کرنا نہ بھولیں:
www.kids.worldsstateless.org

کیا آپ کے پاس شہریت ہے ؟
کیا آپ بھی بے وطن ہو سکتے ہیں ؟
آپ اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں ؟

نیہا کے ساتھ اس حیرت انگیز اور دلچسپ مہم جوئی کا حصہ بنیے۔ جس میں وہ دنیا کے کئی ممالک کا سفر کرتی ہے، وہاں نئے دوست بناتی ہے، بے وطنی کے بارے میں سیکھتی ہے اور اس دوران شہریت کے بارے میں اپنی پہیلی کے ٹکڑوں کو جوڑتی جاتی ہے۔

یہ شاندار کتاب آج کے ایک انتہائی سنگین اور انسانی حقوق کو درپیش پیچیدہ چیلنج کو نہایت چابک دستی کے ساتھ واضح کرتی اور اس کا حل پیش کرتی ہے۔ یہ کتاب تعلیم سے جڑے افراد، نوجوان وکلاء اور ان نوعمروں کے لیے ایک طاقتور ذریعہ ہے، جو یہ گتھی سلجھانے کے خواہش مند ہیں کہ آج کی دنیا میں انسانی تعلق کی ایک بنیادی کڑی کیسے لاکھوں لوگوں سے چھین لی گئی ہے!

جیکلین بھابھا، پروفیسر برائے صحت وانسانی حقوق (ہارورڈ یونیورسٹی)

نوعمر بچوں کے لیے بے وطنی کے مسئلے کو ایک پُر لطف اور تعلیمی انداز میں تعارف کرواتی ہوئی ایک دلچسپ کہانی۔ نیہا کا یہ سفر واضح طور پر بے وطن بچوں اور ان کے خاندانوں کی مشکلات کو اجاگر کرتا ہے۔ یہ کتاب بچوں کو ان کے حقوق سیکھنے اور آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنا سکھاتی ہے۔

کیری این نیل، چائلڈ پروٹیکشن اسپیشلسٹ (یونیسف)

انسٹی ٹیوٹ آن اِسٹیٹ لیس اینڈ اِنکلوژن (Institute on Statelessness and Inclusion) ایک آزادانہ اور غیر منافع بخش تنظیم ہے، جو ہر فرد کے حقِ شہریت کے حصول اور اس کے تحفظ کے لیے مصروفِ عمل ہے۔ ہمارے ادارے کے بارے میں مزید جاننے کے لیے www.institutesi.org ملاحظہ کیجیے۔

بے وطنی کے بارے میں مزید معلومات اور متعلقہ سرگرمیوں کے لیے ملاحظہ فرمائیے:

www.kids.worldsstateless.org

Institute on Statelessness and Inclusion

ISBN: 978-90-836964-0-9
9 789083 696409

£ 10.00
€ 12.50
$ 15.00